

جاسوسی دنیا نمبر 2

# خوفناک جنگل

(مکمل ناول)

## جنگل میں فائر

گرمیوں کی ایک تاریک رات تھی۔ کو توالی انچارج انسپکٹر سدھیر گھنٹوں کروٹیں بدلنے کے بعد بمشکل آدھا گھنٹہ سوئے ہوں گے کہ ایک سب انسپکٹر نے آ کر جگا دیا۔

”کیا ہے بھئی، کیا آفت آگئی۔“ وہ جھلاتے ہوئے بولے۔

”کیا بتاؤں صاحب عجیب مصیبت میں جان ہے۔ شاید پھر کوئی قتل ہو گیا ہے۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”شاید قتل ہو گیا ہے.....؟ کیا مطلب.....؟“

”ایک آدمی دھرم پور کے جنگلوں میں ایک لاش دیکھ کر اطلاع دینے آیا ہے۔“

”اس وقت دھرم پور کے جنگلوں میں اس آدمی کو کیا کام، میرے خیال سے دو بج رہے ہوں گے۔“ انسپکٹر سدھیر نے شب خوابی کا لبادہ اتارتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس سے سوالات نہیں کئے۔ سیدھا یہاں چلا آیا۔“ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے دفتر پہنچے۔ انسپکٹر سدھیر نے اطلاع لانے والے اجنبی کو گھور کر دیکھا۔ وہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔ مائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر کالر کے نیچے لٹک آئی تھی۔ بالوں پر جمی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا

کہ وہ بہت دور کا سفر کر کے آرہا ہے۔ اس کی سانس ابھی تک پھول رہی تھی۔

”کیوں صاحب..... کیا بات ہے؟“ سدھیر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

”میں ابھی ابھی..... دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آرہا ہوں۔“

نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

”لیکن آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔“ سدھیر نے کہا۔

”میں دراصل جلال پور سے واپس آرہا تھا۔“

”جلال پور سے.....؟ جلال پور یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ

سواری پر آرہے تھے؟“

”موٹر سائیکل پر..... جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مڑنے لگا تو میں

سڑک کے کنارے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ اس کا بلاؤز خون سے تر تھا۔ اُف میر

خدا..... کتنا بھیاںک منظر تھا..... میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔“

”تو آپ جلال پور میں رہتے ہیں۔“

”جی نہیں..... میں یہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملنے جلال پور گیا۔ یہ درخت یہاں نہیں تھا۔“ اجنبی نے پریشان لہجے میں کہا۔

”تو اتنی رات گئے وہاں سے واپسی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔“

”جناب والا! میں یہ قتل خود کر کے آپ کو اطلاع دینے نہیں آیا۔“ اجنبی نے قدر

جھنجھلا کر کہا۔

”میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ ہالے درخت کا کاٹ ڈالنا آسان کام نہیں۔“

کو اطلاع دے دوں۔“

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں.....!“ سدھیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں بھی اپنا ہونے لگا۔“

عی ادا کر رہا ہوں..... آپ کا کیا نام ہے؟“

”مجھے رندھیر سنگھ کہتے ہیں۔“

”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

”اُف میرے خدا! میں نے یہاں آ کر سخت غلطی کی۔“ اجنبی نے قدرے پریشانی کے

لہجے میں کہا۔ ”ارے صاحب میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔“

”چلنا تو پڑے گا ہی..... خیر اچھا آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں، پھر سہی.....

داروغہ جی ذرا جلدی سے تین کانشیلوں کو تیار کر لیجئے اور اس وقت ڈیوٹی پر جو ڈرائیور ہو اسے

بھی بلوا لیجئے۔“

تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری پیٹر روڈ پر دھرم پور کی طرف جارہی تھی۔ رات حد درجہ

تاریک تھی۔ سناٹے میں لاری کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بے شمار غصیٹ ارواح ایک

ساتھ مل کر چیخ رہی ہوں۔ لاری کے برقی لیمپوں کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔

سڑک کے موڑ سے تقریباً دو فرلانگ ادھر ہی ایک بڑا سا درخت سڑک پر گرا ہوا نظر آیا۔

”ارے یہ کیا.....؟“ اجنبی چونک کر بولا۔

لاری درخت کے پاس آ کر رک گئی۔

”میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی آدھ گھنٹہ قبل جب میں ادھر سے گزرا ہوں تو

یہ درخت یہاں نہیں تھا۔“ اجنبی نے پریشان لہجے میں کہا۔

سب لوگ لاری سے اتر آئے۔

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کی بات پر کسے یقین آئے گا۔ ظاہر ہے آج آندھی

بھی نہیں آئی۔ یہ بھی صاف ہے کہ درخت کا ٹاٹا گیا ہے اور آدھ گھنٹے میں اتنے موٹے تنے

ہالے درخت کا کاٹ ڈالنا آسان کام نہیں۔“

”اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔“ اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں.....!“

”خیر یہ بعد میں سوچا جائے گا۔“ کووالی انچارج تیز لہجے میں بولا۔ ”اب وہ جگہ یہاں

سے کتنی دور ہے؟“

”زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی فرلانگ.....!“ اجنبی نے جواب دیا۔

لاری وہیں چھوڑ کر یہ پارٹی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھی۔ تاریک سڑک پولیس والے کے بھاری بھر کم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

”اُف میرے خدا.....!“ اجنبی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ کوٹوالی انچارج بولا۔

”کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔“ اجنبی نے بے چینی میں اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

”اے مسٹر! تمہارا مطلب کیا ہے۔“ کوٹوالی انچارج نے گرج کر کہا۔

”میں نے وہ لاش نہیں دیکھی تھی..... مگر..... مگر.....!“

”مگر کیا کر رہے ہو..... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“

”یہی تو حیرت ہے۔“

”سرکار یہاں بھوت پریت بھی بکثرت رہتے ہیں۔“ ایک کانشیل منستانی ہوئی آ

میں بولا۔

”بکومت!“ کوٹوالی انچارج چیخ کر بولا۔ ”اسکا غصہ اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔“

”میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا۔“ اجنبی گلوگیر آواز میں بولا۔

”ابھی کہاں..... اب پھنسیں گے آپ مشکل میں۔“ کوٹوالی انچارج نے تلخ لہجے

کہا۔ ”خواہ مخواہ پریشان کیا، کیا تم نے رک کر قریب سے لاش دیکھی تھی۔“

”جی ہاں..... اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا۔“

”عجیب لاش تھی کہیں زمین پر خون کا دھبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔“ کوٹوالی انچارج

جھک کر ٹارچ کی روشنی میں زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں قسم کھا کر.....!“

”بس بس..... رہنے دو۔ خواہ مخواہ وقت برباد کر آیا۔“ کوٹوالی انچارج نے اس کی ٹانگے

کالٹے ہوئے کہا۔

”میں کہتا ہوں سرکار بھوت.....!“

”ٹھائیں.....!“ اچانک فائر کی آواز نے سب کو بوکھلا دیا۔ کوٹوالی انچارج کا ہاتھ پستول

کے کیس ہی پر تھا کہ دوسرا فائر ہوا۔ پھر تیسرا..... چوتھا..... اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بہت

سے آدمی بیک وقت بندوقیں چلا رہے ہوں۔ کوٹوالی انچارج اور سب انسپکٹر نے اپنے پستول

کال کر درختوں کی آڑ لے لی۔ لیکن انہیں جلدی وہاں سے بھاگنا پڑا کیونکہ ان کے پیچھے سے

بھی فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی..... پھر دوسری اور ایک سپاہی لڑکھڑا

کر گر پڑا۔ پھر اٹھ کر بھاگا۔ یہ لوگ بدقت تمام لاری تک پہنچ گئے۔ جس وقت ڈرائیور لاری

بیک کر رہا تھا قریب ہی سے دوبارہ فائر ہونے شروع ہو گئے۔

لاری تیز رفتاری سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ فائر اب تک سنائی دے رہے تھے۔ ایک

سپاہی کے بازو پر گولی لگی تھی۔ وہ سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔

”لیکن..... وہ..... وہ کہاں گیا۔“ سب انسپکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”جہنم میں.....!“ کوٹوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”مجھ سے زیادہ احمق شاید روئے

زمین پر نہ ملے۔ آخر میں اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اس کے ساتھ چلا کیوں آیا۔ کم بخت کا

ہے بھی تو معلوم نہ ہو سکا۔ ہم لوگوں کی جان لینے کی ایک بہتری سازش تھی۔“

”مگر صاحب..... وہ کسی طرح بھی جھوٹا نہیں معلوم ہوتا تھا۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”بائیس سال سے اس محلے میں جھک نہیں مارتا رہا داروغہ جی۔“ کوٹوالی انچارج نے

تلخ لہجے میں کہا۔ ”ابھی آپ کا تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں ایک میل سے مجرم کی بوسونگھ لیتا ہوں۔

وہ شروع ہی سے مشکوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ مگر یہ کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کا

کام معلوم ہوتا ہے۔“

”ارے اس کا تو مجھے خیال ہی نہ آیا تھا۔“ سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ ”واللہ بال بال

گئے۔“

”البتہ بیچارہ کرن سنگھ بڑی طرح زخمی ہو گیا۔“ کوٹوالی انچارج نے کہا۔ ”اب میری سمجھ

میں نہیں آ رہا ہے کہ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنی اس حماقت کا کیا جواب دوں گا۔“

تھوڑی دیر بعد وہ سب چپ ہو گئے۔ البتہ کرن سنگھ کی کراہیں اب تک جاری تھیں۔ غنیمت یہی تھا کہ گولی ہڈی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی نکل تھی۔

”کیوں نہ ہم لوگ پھر وہیں چلیں، اس طرح بھاگ نکلنا تو ٹھیک نہیں۔“ سب انسپکٹر نے ”پاگل ہوئے ہو۔“ انچارج بولا۔ ”ہمارے پاس دو پستولوں کے علاوہ اور ہے ہی“ اُدھر نہ جانے کتنے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ بیس سے کم نہ ہوں گے۔“ ”عجیب حماقت ہوئی۔“ سب انسپکٹر آہستہ سے بولا۔

## سرٹک پر جوتا

دوسرے دن صبح چھ بجے دھرم پورہ کا جنگل مسلح پولیس کے جوتوں کی آوازوں سے رہا تھا۔ قرب و جوار کے دیہاتوں سے تقریباً تین سو آدمی شے میں گرفتار کئے گئے جن پر کڑا میں بے تحاشہ لاشیاں اور جوتے برس رہے تھے۔ ان میں سے کئی تو اتنی شدت سے پٹے کہ انہیں غش آ گیا۔ لیکن نتیجہ صفر..... کوئی خاص سراغ نہ مل سکا۔ آخر چار پانچ گھنٹوں کی مسافرت جانشانی کے بعد معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔

راج روپ نگر کیس کے شہرت یافتہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کو توالی پہنچ چکے تھے واقعات کا علم انہیں پہلے ہی سے تھا لیکن انہوں نے کو توالی انچارج وغیرہ کے بیانات سے اور ایک چکر دھرم پور کے جنگلوں کا بھی لگا آئے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد جب کو توالی واپس آئے تو کئی چہرے طحڑے انداز میں ان پر مسکرا رہے تھے۔ فریدی تو اس قسم واقعات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ سرجنٹ حمید نے ناک بھوں چڑھائی۔ اسے امید تھی کہ فریدی جلد ہی کوئی سراغ لگا کر اس خفت سے پیچھا چھڑائے گا۔ خود اس کا ذہن بڑی طرح الجھا ہوا

سوچتے سوچتے دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”انسپکٹر صاحب!.....“ اس نے فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ بھی کتنے بدھو ہیں۔“

”کیا مطلب ہے۔“ فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”مطلب کیا؟ وہی مثل ہے..... پچ بخل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ارے لا حول ولا..... کہنے کا مطلب یہ کہ ملزم کا سراغ مل گیا۔“ حمید نے چنگلی بجاتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”خیر وہ تو پرانی چیز ہے۔ میری پیٹھ ٹھوکنے..... کہنے تو بتاؤں۔“ ”مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ٹھوکنے کی کوئی چیز میرے ہاتھ میں نہیں خیر تم بتاؤ۔“ ”موٹر سائیکل..... ملزم نے اپنی موٹر سائیکل رات میں چھوڑی تھی نا۔“ حمید نے کہا۔ ”بہت دیر میں پہنچے..... مجھے صبح ہی کو خیال آیا تھا لیکن اس کی موٹر سائیکل قطعی ایسی نہیں ہو سکتی جو اس کا پتہ نشان بتا دے۔ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”دونوں کو توالی انچارج کے ہمراہ وہاں پہنچے جہاں رات ملزم نے اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔ موٹر سائیکل ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔“ ”دیکھو..... میں نہ کہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”نمبر کی پلیٹ نکال لی گئی ہے۔“ ”لیکن کمپنی کا نمبر تو ضرور ہوگا۔“ حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ بھی ریت دیا گیا ہے۔“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی کھسیانہ ہو کر ہنسنے لگا۔ ”ہم لوگ نرے گھاس نہیں ہیں..... فریدی صاحب!“ کو توالی انچارج نے ہنس کر کہا۔ ”پہلے ہی دیکھ کر اطمینان کر چکے ہیں۔“ ”لیکن ٹھہریے.....!“ فریدی نے زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے ایک بات نہ دیکھی ہوگی۔“

”اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا شبہ کس پر ہے۔“

”بھلا میں کیسے بتاؤں..... شہر کا ہر بد معاش میرا دشمن ہو سکتا ہے۔“ کوٹوالی انچارج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”بہر حال آپ ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔

”حمید صاحب میں آپ سے استدعا کروں گا.....!“

”حمید تم چپ رہو۔“ انسپکٹر فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”ہاں داروغہ جی کیا پیٹر روڈ کے چوراہے کے قریب کوئی بستی بھی ہے؟“

”ہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، کچھ پور لیکن اس کا فاصلہ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ ہوگا۔“

”میرا خیال ہے کہ میں اس وقت وہاں جا کر تفتیش کروں۔“ انسپکٹر فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ کو وہاں اس وقت صرف عورتیں اور بچے ملیں گے۔ وہاں کے سارے مرد تو یہیں حوالات میں ہیں۔“

”تب تو اور بھی اچھا ہے۔“ حمید نے اپنا نچلا ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا اور وہ ایک بیک بنجیدہ ہو گیا۔ لیکن یہ بنجیدگی اتنی مہلکہ خیز تھی کہ جھلایا ہوا کوٹوالی انچارج بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ حمید کی بے وقت کی طریقہ کار تیس فریدی کو اکثر بری کھل جاتی تھیں۔ اس کی اسی عادت کی بناء پر فریدی عموماً کہا کرتا تھا کہ وہ زندگی بھر ایک اچھا جاسوس نہیں بن سکتا۔

فریدی کو اس کی اس وقت کی بے لگلی باتوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد اس کا ذہن پھر اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

کچھ پور کی طرف روانہ ہوتے وقت فریدی نے اس سب انسپکٹر کو بھی ساتھ لے لیا جو رات والے حادثے میں کوٹوالی انچارج کے ساتھ تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی کی کار سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر چلی جا رہی تھی۔

”انسپکٹر فریدی صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سب انسپکٹر بولا۔“ خود آپ

”کیا.....؟“

”یہی کہ کمپنی کا نمبر یہیں کوٹوالی میں اسی جگہ آج ہی کسی وقت صاف کیا گیا ہے۔“

”جی.....!“ کوٹوالی انچارج نے حیرت سے دیدے پھاڑتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں..... یہ دیکھئے۔ کیا آپ زمین پر لوہے کی ریت نہیں دیکھ رہے ہیں۔“

”افوہ..... بڑی غفلت ہوئی۔“ کوٹوالی انچارج نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”انہیں باریکیوں کے لئے تو ہم خاکساروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔“ سرجنٹ حمید نے تن کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس سے کیا..... ملزم بہر حال ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔“ کوٹوالی انچارج نے جھنجھلا کر کہا۔

”جی نہیں بس یہ سمجھئے کہ اب وہ ہماری جیب میں رکھا ہوا ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔ نہ گھوڑا دور نہ میدان۔“ کوٹوالی انچارج نے جانے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

سرجنٹ حمید فاکس ٹراٹ کی دھن میں سیٹی بجانے لگا۔

فریدی کا ذہن مختلف قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ آخر کار وہ کوٹوالی انچارج کو مخاطب کر کے بولا۔

”داروغہ جی..... اب یہ بات تو اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ملزم یا ملزموں کا نشانہ آپ ہی تھے۔“

”کیوں..... میں ہی تھا۔“ کوٹوالی چونک کر بولا۔

”آپ کے بیان کے مطابق رات پانچ سب انسپکٹر اور چالیس سپاہی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے آپ کسی کو بھی منتخب کر سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دھرم پور کوٹوالی ہی کے حلقے میں ہے اس لئے قتل وغیرہ کے سلسلے میں موقع واردات پر آپ ہی کا پہنچنا یقینی ہو سکتا ہے۔“

”اوہ..... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔“ کوٹوالی انچارج نے بے چینی سے کہا۔

بھی ہوتے تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے بیان کی صداقت میں شبہ نہ کرتے۔“ ”ہم لوگ آپ لوگوں کے بارے میں بُرے خیالات رکھنے پر مجبور ہیں۔ آخر کوئی حد یہ سب کچھ درست ہے۔“ فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں ابھی ہے۔ کوتوالی میں رکھی ہوئی موٹر سائیکل کا نمبر کوئی ریت کر چلا جائے اور آپ لوگوں کو خبر کا صحیح پتہ نشان دریافت کئے بغیر ہرگز ان کے ساتھ نہ جاتا۔ حیرت تو اس بات پہ ہے کہ سدا بھی نہ ہو۔“

صاحب نے رواگلی لکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔“ ”واقعی یہ چیز ضرور حیرت انگیز ہے۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”نہیں صاحب..... رواگلی تو لکھی گئی تھی۔“ سب انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔

”داروغہ جی میں کوئی پچھتو ہوں نہیں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ رواگلی حادثے کے پھر ان کے دشمنوں سے ملا ہے۔ کوئی باہر کا آدمی اتنی ہمت نہیں کر سکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ

بعد لکھی گئی ہے۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

کا خیال درست ہے لیکن وہ کون ہو سکتا ہے۔“

”خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ ہی نہیں..... آپ کا حکم یوں بھی ہم لوگوں کے متعلق ”یہی تو دیکھنا ہے۔“

کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ رواگلی حادثے کے بعد کم کار پھنچن پور میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے تک چھان بین کرنے کے بعد

گئی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ روزنامے میں اس نمبر کا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں اور سرتا بھی کوئی سراغ نہ مل سکا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے فائر وں کی آوازیں

ہوٹل کا ایک ایک چپہ پولیس کا دیکھا ہوا ہے اس جیسے بدنام ہوٹل کا نقشہ تو میرے خیال میں سنی تھیں۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہاں آئے دن شکاریوں کی بندوقیں چلا

معمولی سے معمولی کا نشیمل کے ذہن میں بھی ہوگا کیونکہ پولیس متعدد بار اس پر چھاپہ مار چکی کرتی تھیں۔

ہے۔ اصل واقعہ مجھ سے سنئے۔ آپ لوگ بغیر پوچھ گچھ کے ملزم کے ساتھ چل پڑے تھے۔ وہ

میں سدیر صاحب کو اس غلطی کا احساس ہوا۔ واپسی پر جب وہ رواگلی لکھنے بیٹھے تو گھبراہٹ

کرے کا نمبر لکھ گئے۔ میں نے کیس ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے رواگلی ہی دیکھ لی اس کے ساتھ چلے گئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ رواگلی حادثے سے بعد لکھی گئی تھی۔“

تھی۔ اس وقت سدیر صاحب بھی موجود تھے۔ غالباً اسی وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا

اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر قبل ملزم کے حلیہ کے لئے مجھے دوبارہ رواگلی دیکھنی پڑی۔ آپ کو

سن کر حیرت ہوگی کہ کمرے کا پہلا نمبر بلڈ سے کھرچ کر اس کی جگہ دوسرا نمبر لکھ دیا گیا تھا

جس کی سیاسی کاغذ کھردرا ہو جانے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔“ فریدی خاموش ہو گیا اور سر جھکا

حمید ہنسنے لگا۔

”صاحب یہ بات میری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ واقعی آپ لوگ ہم لوگوں کے بارے میں

بہت بُرے خیالات رکھتے ہیں۔“ سب انسپکٹر نے جھینپ منانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگ گیا۔

”شکریہ.....!“ سب انسپکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

کار کی برقی روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یکطرفہ کے بائیں کنارے کی جھاڑیوں سے تین چار گیدڑ نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے دائیں کی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ انہیں سے ایک کے منہ میں دہلی ہوئی کوئی چیز سڑک پر گر پڑی تیزی میں اسے روندتی ہوئی آگے نکلی جا رہی تھی کہ دفعتاً فریدی چیخا۔ ”حمید..... روکو..... کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

”کیا بات ہے۔“ انسپکٹر حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

”آئیے..... آئیے حمید ذرا مجھے تارچ دینا۔“ فریدی نے کار سے اترتے ہوئے ہمارچ کی روشنی سڑک پر پڑے ہوئے جوتے کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔

فریدی نے جوتے کو اٹھا کر تارچ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔

”جوتا تو نیا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ یہاں کیسے آیا۔“ حمید نے کہا۔

”یہ انہیں گیدڑوں میں سے ایک کے منہ میں دبا ہوا تھا۔“ فریدی جوتے پر بجائے آہستہ سے بولا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا تار سا بندھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے سے وقفے میں یکے بعد دیگرے نہ جانے کتنے خیالات آئے تھے۔ تارچ کی روڑ جھاڑیوں سے الجھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ حمید اور سب انسپکٹر بھی اس کے پیچھے پیچ رہے تھے۔ انہیں اس کے اس رویہ پر سخت حیرت تھی، لیکن وہ خاموش تھے۔

\* دفعتاً فریدی رک گیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر وہ دوسری طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب انہیں حمید بھی رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی مڑ کر بولا۔ ”داروغہ جی آپ بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں؟“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس

طاری ہو گئی۔

”مطلب یہ کہ اگر آپ اس وقت اس جنگل میں کسی جگہ ایک آدمی کی ٹانگ زمین کے

اندر سے نکلی ہوئی دیکھ لیں تو آپ کا کیا حال ہو۔“

”غالباً روح نقس عصری سے پرواز کر جائے۔“ حمید ہنس کر بولا۔

”اچھا تو پہلے تم ہی آؤ.....!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

”صص..... ضرور..... بھبھو..... ت.....!“ حمید ہٹکانے لگا۔

”بس رخصت ہو گئی ساری شرارت.....!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”آئیے داروغہ جی

آپ بھی دیکھئے۔“

”جی..... جی..... میں.....!“ داروغہ جی حمید کی حالت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔

”بھئی کمال کر دیا آپ لوگوں نے۔ آئیے میرے ساتھ۔“ فریدی کہتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا۔ حمید اور سب انسپکٹر کو بھی طوعاً و کرہاً ساتھ دینا ہی پڑا۔ ایک جگہ تھوڑی کھدی ہوئی زمین سے ایک انسانی پیر باہر نکلا ہوا تھا۔ پتلون کا پانچپانچ کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور ننگے پاؤں میں لمبی لمبی خراشیں تھیں۔

”کیا سمجھے۔“ فریدی اپنے دونوں خوفزدہ ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔

دونوں خاموشی سے اس کا منہ نکلتے رہے۔

”یہ جوتا اسی پیر کا ہے۔ گیدڑوں نے یہاں کی زمین کھودی ہے۔ وہ لاش کی ایک ٹانگ نکال پائے تھے کہ موڑ کے شور کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا۔ غالباً وہ اس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی جدوجہد میں اس کا جوتا اتر گیا اور ایک گیدڑ لے بھاگا۔“

”ارے بھئی..... یوں کھڑے میری صورت کیوں دیکھ رہے ہو۔“

”جو بتائیے وہ کیا جائے۔“ سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔



نہر اور کمپنی کا نمبر..... دونوں پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا۔  
 ”کیوں بھی حمید کیا خیال ہے۔“ فریدی نے سر جٹ حمید سے کہا۔  
 ”ابھی تک تو خیال کا خیال بھی عمار ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن یہ آپ کس طرح سمجھے  
 کہ یہ آدمی مجرموں کا ساتھی نہیں تھا۔“

”تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا ذہن کسی خاص لائن پر کام کر رہا ہے۔“

”یہ وہی ہے، خدا کی قسم وہی ہے۔“ سب انسپکٹر بے اختیار جج اٹھا۔ ”وہی جو ہمیں کل فریدی نے کہا۔“

رات یہاں لایا تھا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ کو توالی انچارج کے فح نظریے پر مجرموں نے اپنے ساتھی کو اس لئے

”بہر حال.....!“ فریدی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ”بعض اوقات میرے ہوائی موت کے گھاٹ اتار دیا ہو کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے چڑھ کر سارا راز بتا نہ دے۔“ سر جٹ  
 قلعے بھی سچے ہو جاتے ہیں۔ مجھے شروع ہی سے اس کی امید تھی۔“ حمید نے سر کھاتے ہوئے کہا۔

”بڑا عجیب واقعہ ہے۔ میری تو عقل چکر کھا رہی ہے۔“ سب انسپکٹر پریشانی کے لہجے میں  
 بولا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک تینوں مختلف زاویوں سے لاش کے متعلق اظہار خیال کرتے رہے۔  
 ”خیر اب یہاں اس طرح کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آئیے اسے اٹھا کر کارٹک لے  
 چلیں۔“ فریدی نے سگار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

امکان ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہو سکتا ہے لیکن یہ کیونکر مان لیا جائے کہ مجرموں کا ساتھی ہی تھا۔  
 محض اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر انہیں اس بات کا  
 اندیشہ ہوتا تو وہ اس کی وجہ سے پہچان لئے جائیں گے تو وہ اسے کبھی کو توالی نہ بھیجتے اور اگر انہیں  
 اس کا خدشہ نہیں تھا تو پھر لاش کے دفن کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ دیکھو ایک لاش کا دفن  
 کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے باوجود بھی اس کے لئے کم از کم  
 ایک گھنٹہ چاہئے۔ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی اپنی جان دینا  
 چاہتے تھے۔ یا بالکل ہی احمق تھے کیونکہ انہیں اس کا بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دیر میں اگر پولیس  
 والے کی قریب کے گاؤں میں سے کچھ آدمی لے کر واپس آ گئے تو کیا ہوگا۔ اس کی لاش دفن  
 کر دینا ان کے لئے یقیناً بچاؤ کی صورت رکھتا تھا۔ جیسی انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ جیسا  
 کہ تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت کسی منظم گروہ کی ہے۔ تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا گروہ اپنے کسی  
 پرانے یا آسانی سے پہچان لئے جانے والے آدمی کو ایسے کاموں کیلئے منتخب کرتا۔ اس کیلئے  
 وہ ہمیشہ کسی نئے آدمی کو چناتا ہے تاکہ اگر وہ پکڑ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی راز ظاہر نہ ہو سکے۔“

## پراسرار ضلع دار

اس نے انکشاف پر دوسرے دن سارے شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب معاملہ حد درجہ پیچیدہ  
 ہو گیا تھا۔ وہ شخص جسے لوگ مجرم سمجھ رہے تھے خود کسی کا شکار ثابت ہوا۔ لاش ابھی تک کو توالی ہوائی  
 میں تھی۔ فریدی اور چند دوسرے جاسوس لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ مقتول ایک قبول صورت  
 اور نو عمر آدمی تھا۔ لباس کی عمدگی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی متمول آدمی ہے۔ لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ موٹر سائیکل کا لائسنس

”چلے میں نے مان لیا۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجرم خاص طور سے اسی آدمی کو قتل کرنا تھا تو آخر اس قدر ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ حمید کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے پولیس کو باقاعدہ چیلنج کر کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ اس طرح انہوں نے باقاعدہ اپنے گلے ایک مصیبت ڈال لی۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو یوں ہی مار کر دیتے۔“

”تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں اس طرح انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں قتل چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تمہاری گمشدگی یقیناً کچھ دنوں کے لوگوں کو تمہارے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے گی اور میرے قتل کر دینے کی وجہ اگر ایسی ہے کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لئے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن اُن میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں گا۔ اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر رہے ہو اور مجھے سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی میں پتیار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بنائے جاؤ گے۔ گولیوں کی اندر بوچھاڑ سے گھبرا کر دوسرے لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد میں تمہاری لاٹھ سے کھدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں سائیکل کے ساتھ پائیں گے تو تمہارے متعلق ان کا شبہ یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ تمہیں مجرم سمجھ کر تلاش شروع کر دیں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں نہ بھی بنوادوں گا اور خود مطمئن ہو کر مڑے کروں گا۔ کیا سمجھتے.....! اور پھر اگر میں زیادہ ذہن تو پولیس کے شبے کو مزید تقویت دینے کے لئے تمہاری موٹر سائیکل کے نمبر بھی غائب گا۔ وہ بھی سچ کو تو ملی سے..... لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا کچھ

”تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں اس طرح انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں قتل چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تمہاری گمشدگی یقیناً کچھ دنوں کے لوگوں کو تمہارے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے گی اور میرے قتل کر دینے کی وجہ اگر ایسی ہے کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لئے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن اُن میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں گا۔ اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر رہے ہو اور مجھے سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی میں پتیار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بنائے جاؤ گے۔ گولیوں کی اندر بوچھاڑ سے گھبرا کر دوسرے لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد میں تمہاری لاٹھ سے کھدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں سائیکل کے ساتھ پائیں گے تو تمہارے متعلق ان کا شبہ یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ تمہیں مجرم سمجھ کر تلاش شروع کر دیں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں نہ بھی بنوادوں گا اور خود مطمئن ہو کر مڑے کروں گا۔ کیا سمجھتے.....! اور پھر اگر میں زیادہ ذہن تو پولیس کے شبے کو مزید تقویت دینے کے لئے تمہاری موٹر سائیکل کے نمبر بھی غائب گا۔ وہ بھی سچ کو تو ملی سے..... لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا کچھ

”خیر چلے! اگر میں ایسے مان بھی لوں گا تو درخت والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آدھے لہنے میں اتنے تناور درخت کو کاٹ کرنا قطعی ناممکن ہے۔“

”تو میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ درخت کے کاٹنے کا کام صبح ہی سے شروع کر دیا یا ہو اور اس کا اتنا حصہ کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو کہ بقیہ حصہ تھوڑی دیر کی محنت سے کاٹ کر ختم کر لیا جاسکے۔ تم نے شاید غور نہیں کیا..... اسی لائن کے کئی اور درخت بھی کاٹے گئے ہیں۔ کیا یہ کام ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے اس میں شبہ ہے۔ بظاہر ڈسٹرکٹ بورڈ کے علاوہ کوئی اور ان درختوں کو قانوناً کٹوا بھی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سرکاری ادارہ اپنی ذمہ داری پر اتنے بڑے درخت کو ایسی خطرناک حالت میں چھوڑ جائے دے گئے کی محنت سے گرایا جاسکے۔ کیونکہ اتنا بھاری بھر کم درخت ایسی حالت میں تیز ہوا کا جھونکا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔“

”واقعی مانتا ہوں۔“ حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”واللہ آپ کو تو انٹیلیجنٹ یارڈ میں ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو میں کہوں گا کہ ماہروں کی کوئی قدر نہیں۔ اب اسی کو لیجئے کہ آپ آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکے۔“

”تو میں چیف انسپکٹر ہونا کب چاہتا ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”چیف انسپکٹر ہونے بعد میری حیثیت ایک کلرک کی سی ہو جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں اس لائن میں پیدا کرنے نہیں آیا اور نہ مجھے عہدوں ہی کا لالچ ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ موجود ہے کہ

بیکار رہ کر بھی فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں پرائیویٹ جاہ کے لئے قانونا کوئی جگہ ہوتی تو مجھے اتنی دوسری مول لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میری حیثیت سے اپنی کھوجی طبیعت کو تسکین دے لیتا۔“

”آپ کہیں گے میں چالوسی کر رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن میں کہے بغیر نہیں کہ آپ جیسا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ بعض اوقات تو میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید آپ لوہے کے بنے ہیں۔“

”اور بہت سے لوگ مجھے لوہے کا چٹا بھی سمجھتے ہیں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر آپ عورتوں سے کیوں دور بھاگتے شادی کیوں نہیں کرتے.....؟“

”پھر وہی عورت.....!“ فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”آخر تمہارے عورت کیوں سوار ہے۔ کہیں سے بات شروع ہو، آپ کی تان ہمیشہ عورت ہی پر ٹوٹی۔ کیا حماقت ہے۔“

”آپ اسے حماقت کہتے ہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اچھا بکومت..... ابھی بہت کام کرنا ہے۔ چلو ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر چلیں۔“

ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں ان دونوں کی آمد سے بھونچال سا آگیا۔ معمولی سے لے کر چیئر مین تک خود کو چور محسوس کرنے لگے۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کے کسی بھی دفتر میں کسی جاسوس کی غیر متوقع آمد وہاں کے کارکنوں کے لئے بڑی معنی خیز ہوتی۔ کے سارے گزشتہ جرائم اور دھاندلی بازیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں اور غیر شعوری طور پر جھکڑیوں کے جوڑے کا انتظام کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہاں فریدی نے نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ دفتر کے عملے کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ان مزدوروں سے ملنا چاہم پور کے جنگلوں میں درخت کاٹ رہے تھے تو انکی جان میں جان آئی۔ دھرم پور کے حادثہ کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ یہی سمجھے کہ یہ لوگ ضمنی تفتیش کے سلسلے میں آئے؟

وہاں کے مزدوروں میں سے صرف دو اس وقت موجود تھے۔ فریدی انہیں الگ لے گیا۔ ”تم لوگوں نے ایک خطرناک غلطی کی ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”دونوں کے چہرے فٹ ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔“

”تم نے وہ درخت سڑک کی طرف کیوں گرایا تھا.....؟“

”صاحب! سڑک کی طرف تو ہم لوگوں نے کوئی درخت نہیں گرایا۔“ انہیں سے ایک بولا۔

”یاد کرو وہ پیمپل کا درخت جو چوراہے سے کچھ دور ہٹ کر تھا۔“

”نہیں صاحب! ہم ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔“

”خیر اگر تم نے گرایا نہیں تھا تو اسے ایسی حالت میں چھوڑ دیا تھا کہ درخت تیز ہوا چلنے پر خود بخود گر جائے۔“

”نہیں تو..... مگر صاحب۔“

”صاف صاف بتاؤ۔“ فریدی تیز لہجہ میں بولا۔

”مجھ سے سنئے صاحب.....!“ دوسرا بولا۔ ”اب تو غلطی ہو ہی گئی ہے۔ جو کچھ بھی پڑے گی بھگتی ہی ہوگی۔“

”ہاں ہاں ڈرو نہیں..... ہمیں غریبوں کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔ مگر سچائی شرط ہے۔“

فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

”خدا آپ کو خوش رکھے..... ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری غلطی بس.....!“

”ہاں ہاں کہو۔“

”صاحب ہوا یہ کہ ہم چار آدمی اس درخت کو کاٹ رہے تھے۔ شام ہو گئی تھی اور درخت اتنا کٹ گیا تھا کہ اس کی ڈالوں سے سی پھنسا کر اسے آسانی سے دوسری طرف گرایا جاسکتا تھا۔ ہم لوگ سستانے لگ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ اب اسے دوسری طرف گرا دیں کہ اچانک کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ ہم لوگ چونک پڑے۔ ایک آدمی ہمیں اپنی طرف دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔

”ہائے مار ڈالا..... ہائے لوٹ لیا۔“ کہتا ہوا ہمارے قریب گر پڑا۔ ہم لوگوں کے پوچھنے پر

”اچھا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔“

”حلیہ کیا بتاؤں سرکار..... اچھا خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بڑی بڑی چڑھی ہوئی سیاہ آنکھیں تھیں۔ آنکھوں پر نیلا چشمہ لگائے تھا۔ رنگ گورا تھا۔ انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ بات پر بچوں کی طرح ٹھٹھا مار کر ہنستا تھا۔ مگر صاحب اس کے دانت بڑے چمکیلے تھے۔ مجھے اس کے دانت بالکل بھیڑیے کے دانتوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ منہ کھ آدمی ضرور لیکن ان دانتوں کی وجہ سے اس کی ہنسی بھی بڑی خونفک معلوم ہوتی تھی۔“

”تم اسے دیکھ کر پہچان لو گے۔“

”برابر سرکار.....!“

”اچھا دیکھو..... ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا ورنہ پھر تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ اپنے ان دونوں ساتھیوں کو سمجھا دینا کہ اس کے متعلق کسی سے کوئی بات نہ کریں۔“

”بجائے سرکار کہ آپ کے حکم کے خلاف ہو جائے۔ ہم لوگ بالکل چپ رہیں گے۔“

اس کے بعد فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

”کہو بھئی اب کیا خیال ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”بھلا آپ سے غلطی ہو سکتی ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن اب کیا کرنا چاہئے۔“

”بس دیکھتے رہو..... اب جنگی بجاتے مجرم ہماری گرفت میں ہوں گے۔“ فریدی نے اکیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ عورت کی لاش والا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا.....!“ حمید نے سر کھاتے ہوئے کہا۔

”یہ کوئی مشکل کام نہیں..... ایک عورت کی لاش تم نہایت آسانی سے تیار کر سکتے ہو۔ وہ یقیناً نقلی ہوگی۔“

”مورٹسنگل کے نمبر والا معاملہ بھی عجیب ہے۔ خیر لائنس کا نکال لینا تو مشکل کام نہیں۔“

اس نے بتایا کہ وہ کوٹ آف وارڈ کا ضلع دار ہے۔ گاؤں سے روپیہ وصول کر کے لارہا تھا۔ اچانک دو آدمیوں نے اسے مار پیٹ کر روپیہ چھین لیا۔ اس کے بیان کے مطابق حادثہ تقریباً ہی اسی وقت ہوا تھا۔ اس لئے ہم چاروں غل مچاتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے راستے دوڑنے لگے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا اور ایک جھاڑی سے ایک تھیلی اُتار کر ہمیں دکھائی اور کہا کہ اسی تھیلی میں روپے ہیں۔ شاید گھبراہٹ میں یہ ان بد معاشوں کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے وہ تھیلی زمین پر الٹ دی اور بیٹھ کر روپے گننے لگا۔ واقعی اس تھیلی میں سینکڑوں روپے تھے۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم اس کے ساتھ شہر چلیں کیونکہ وہ پولیس میں رپورٹ کرنا چاہتا ہے اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں راہ میں وہ بد معاش پھر نہ مل جائیں۔ لوگوں نے انکار کیا لیکن اس نے ہمیں سو روپے دینے کا وعدہ کر کے راضی کر لیا۔ ہم لوٹ آئے اور کلہاڑے وغیرہ سنبھال کر شہر کی طرف چل پڑے۔ سو روپوں کے لالچ نے ہمیں یہ بھی سوچنے دیا کہ درخت کو خطرناک حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ شہر پہنچ کر اس نے کہا کہ پولیس میں رپورٹ کرنا بیکار ہی ہے۔ کیونکہ روپے تو مل گئے ہیں پھر وہ ہمیں ایک شراب خانہ میں لے گیا۔ ہم لوگ کبھی کبھی دیسی شراب پی لیتے ہیں وہاں انگریزی شراب دیکھ کر ہمارے منہ میں پانی بھر آیا۔ ہم میں ایک ایسا بھی تھا جو شراب نہیں پیتا تھا، لیکن اور دوسری کھانے کی عمدہ چیزیں دیکھ کر وہ بھی پینے پر راضی ہو گیا۔ ہمیں کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ ہم نے کتنی بہر حال جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو ایک ویران قبرستان میں پایا۔ غالباً اس وقت کے تین بج رہے ہوں گے۔ یہ ہے سرکار ہماری رام کہانی۔ اب آپ جو سزا چاہیں دیں۔“

”بہر حال.....!“ فریدی لمبی سانس لیکر بولا۔ ”میں کوشش تو کروں گا کہ تم لوگوں کو آج نہ آنے پائے۔ اچھا یہ تو بتائیے کہ تم نے اس ضلع دار کو اس سے پہلے بھی دیکھا تھا۔“

”جی نہیں..... ہم نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔“

”اگر تم اسے دیکھو تو پہچان لو گے۔“

”اچھی طرح سرکار..... اچھی طرح۔“ دونوں بیک وقت بولے۔

”نہیں حضور! ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔“ کانٹیل نے جواب دیا۔

”اس گڑھے کی طرف کوئی دکھائی تو نہیں دیا تھا.....؟“

”گڑھا ملا ہی نہیں۔“ کانٹیل نے گھبرا کر کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ فریدی نے اسے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں کیا

یت دی گئی تھی۔“

”حضور! ہم سے ایک گڑھے کے بارے میں کہا ضرور گیا تھا لیکن یہاں پہنچنے پر ہمیں

نی گڑھا نہیں دکھائی دیا۔“

فریدی اور حمید تیزی سے جھازیوں کی طرف بڑھے۔ واقعی وہاں گڑھے کا نام و نشان تک

نہا۔ کسی نے گڑھے کو پاٹ کر زمین برابر کر دی تھی۔

”لیجے..... یہ دوسری رہی۔“ فریدی ہاتھ ملتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولا۔ پھر وہ

زں کانٹیلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ذرا اپنے انچارج کو تو بلاؤ۔“ دونوں چلے گئے۔

”مجرم حماقت پر حماقت کرتے چلے جا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”بھلا اس کی کیا

رورت تھی۔“

”جی نہیں..... وہ ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کل رات ہم میں سے کسی

ب کو اس وقت تک یہاں موجود رہنا چاہئے تھا جب تک کہ مسلح پولیس یہاں نہ پہنچ جاتی۔“

فریدی نے کہا۔ ”جانتے ہو کہ گڑھا پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے؟“

حمید نے سر ہلایا۔

”مجرم کسی ایسے نشان کو مٹا گئے جس سے سراغ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔“

”تب تو بہت بُرا ہوا۔“ حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا انچارج آ گیا۔

”کیوں صاحب! آپ کو کیا ہدایت دی گئی تھی۔“ فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”جناب والا! ہم رات سے اس گڑھے کو تلاش کر رہے ہیں۔“

کمپنی کا نمبر ریتنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ کسی نے ر  
کی آواز بھی نہ سنی۔“

فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔

”حمید! میں دراصل اسی لئے تمہیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں، تمہارے اس سوال نے

یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ لو سنو کیا تمہیں یاد نہیں کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کار بگڑ گئی تھی اور

بار بار انجن اشارت کر رہا تھا۔ اس انجن کے شور میں بھلا ریتی کی آواز کیسے سنی جاسکے

تقریباً دو گھنٹے کے بعد کار بن سکی تھی۔ اب میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ موٹر سائیکل کا

دوران میں ریٹا گیا تھا لیکن ریتنے والا کون ہو سکتا ہے۔ کسی باہری آدمی کی ہمت نہیں پڑے

”تو پھر آپ کا شک کس پر ہے۔“

”ابھی فی الحال یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔“ فریدی نے سگار منہ سے نکالتے ہو۔

”کیوں نہ ہم لوگ دھرم پور کے جنگل کا ایک چکر اور لگا آئیں۔ مجھ سے ایک زبردست

ہوئی ہے۔ مجھے اس گڑھے کا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی بخور جائزہ لینا چاہئے تھا۔“

تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔“

## شرابی گیدڑ

لاش برآمد ہونے کے بعد ہی سے دھرم پور کے جنگل میں مسلح پولیس کے ایک د۔

اپنے خیمے گاڑ دیئے تھے جس وقت انپیکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں پہنچے تو انہوں۔

جنگل میں گشت کرتے ہوئے پایا۔ ایک نے انہیں ٹوکا بھی لیکن دوسرا شاید ان دونوں کو

اس نے انہیں سلام کیا۔

”کیوں بھئی کوئی خاص بات.....!“ فریدی نے پوچھا۔

س کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے زمین کھودی جاسکتی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ کچھن پور سے کچھ زرد درلا لئے جائیں۔

”کیا اسے کھودنے کے لئے آپ لوگوں کی سنگینیں کافی نہیں۔“ حمید نے کہا۔  
”بعض اوقات معمولی باتیں بھی دیر میں سوچتی ہیں۔“ انچارج نے کھپانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

کانشیلوں نے اپنی سنگینوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کانشیبل کی سنگین نے کسی چیز سے ٹکرا کر چھٹا کا پیدا کیا۔  
”ٹھہرو..... ٹھہرو.....!“ فریدی جھکتے ہوئے چیخا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی مٹی ہٹانی شروع کر دی۔  
”یہ لیجئے..... کوئی اور نئی مصیبت.....!“ فریدی نے گڑھے میں سے ایک وزنی تھیلا باہر کھینچے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کیا.....!“ سب نے بیک وقت کہا۔  
فریدی نے تھیلے کا منہ جو رسی سے بندھا ہوا تھا کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔ ”یا مظہر العجائب.....!“ کہتا ہوا حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ ایک گیدڑ کی لاش تھی جس کے منہ میں تمباکو پینے کا پائپ دبا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ شراب کی دو خالی بوتلیں بھی برآمد ہوئیں جن میں سے ایک سنگین لگنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ گیدڑ کے سینے پر ایک کاغذ بندھا ہوا تھا جس پر غالب کا یہ قطع لکھا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب  
شرم شرم تم کو مگر نہیں آتی

فریدی پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ بقیہ لوگ حیرت سے کبھی اسے دیکھتے اور کبھی گیدڑ کی لاش کو۔ فریدی برابر ہنسنے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہنسی اتنی بھیاںک معلوم ہونے لگی کہ کئی ضعیف الاعتقاد کانشیبل وہاں سے چپکے سے کھسک گئے۔ ان میں بہتروں کا یہ خیال تھا بلکہ قرب و جوار میں مشہور بھی تھا کہ جنگل کا مخصوص حصہ بھوتوں کا اڈہ ہے۔ فریدی پر ایک طرح کی نشہ آور

”چیز ہی ایسی ہے کہ دھوکا کھانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔“ فریدی نے، طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ”سرسری طور پر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی گڑھا تھا ہی نہیں۔ اس جگہ سوکھی گھاس اس خوش اسلوبی سے بچھائی گئی ہے کہ اچھے دھوکا کھا جائیں۔“

”اس گھاس کو پھیلاتے وقت وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس طرح ان کی انگلیوں نشانات قطعی محفوظ ہو جائیں گے۔“ حمید نے کہا۔

”حمید صاحب اتنی جلدی خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ مرتبہ بہت ہی چالاک آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ارے میاں ایسے موقعوں پر سڑا سے مزہ بھی دستانے استعمال کرتا ہے۔“

”بہر حال مجرم کی یہ دوسری حماقت اس کے سراغ کے لئے کافی ہوگی۔ اگر کافی نہ تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہی معلوم ہو جائے گی۔“ حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ لاش کا پتہ لگ جانے کے بعد گڑھے کو پانے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔“ فریدی نے سگار کا دھواں چھلوں کی شکل میں نکالتے ہوئے کہا۔ ممکن ہے کہ گڑھے میں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس سے مجرم کا سراغ مل جائے یا متواتر شخصیت پر روشنی پڑنے کا اندیشہ رہا ہو۔“

”لیکن ایسی صورت میں بھی گڑھے کو پانے کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کام؛ کے پہنچ جانے کے بعد ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ غالباً ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد حرکت کی گئی۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں! ہم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہ سب کچھ کیا گیا۔ ورنہ ہم لوگ تو.....“ جی ہاں..... ورنہ آپ لوگ تو کافی مستعد رہے۔“ فریدی نے انچارج کی بات ہوئے طنز یہ لہجے میں کہا۔ ”اچھا اب اسے دوبارہ کھودنے کا انتظام کرنا چاہئے۔“

انچارج نے تین چار کانشیلوں کو بلا کر گڑھا کھودنے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں



کیفیت طاری تھی جسکے تحت وہ ہنسے ہی جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قہقہے مضمحل ہوئے اور آخر کار وہ چکرا کر گر پڑا۔ حمید اور انچارج دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ وہ بیہوش ہو کر اُسے یہ معاملہ کیا ہے؟“ انچارج نے گھبراہٹ میں کہا۔

”نہ جانے کیا بات ہے۔ میں خود چکر میں ہوں۔“ حمید نے فریدی کو جھنجھوڑا۔  
”لیکن فریدی کے چہرے پر ہوش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔“  
”اب کیا کیا جائے۔“ حمید نے انچارج کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حمید صاحب! اب تو میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ضرور کوئی شیطانی کارخانہ انچارج نے لرزتے ہوئے کہا۔“ گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب اور پھر اسکے ساتھ شراب اور منہ میں دبا ہوا پائپ اور وہ شعر..... ایسی عجیب باتیں آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں۔“ وہ تو سب کچھ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انسپکٹر صاحب کو ہوش میں کس طرح لایا، حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سرکار یہ تو کوئی پھونک جھاڑ کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔“ ایک کانسیل بولا۔  
”لفو.....!“ حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”اچھا انچارج صاحب آپ دو آدمی ساتھ کر دیجئے۔ میں انہیں اسی حالت میں شہر لے جاؤں گا۔“

حمید نے گیدڑ کی لاش اور بقیہ دو چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں اور بیہوش فریدی کی ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ راستے میں ہی فریدی کو ہوڑا وہ پچھلی سیٹ پر لیٹے ہی لیٹے بولا۔ ”حمید ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”اوہ..... آپ ہوش میں آ گئے۔“ حمید نے جلدی سے کار روکتے ہوئے مڑ کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور طویل انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

”بڑا بھیا نک پلاٹ تھا..... وہ گیدڑ اور بوتلیں کہاں۔“

”وہ تو میں وہیں چھوڑ آیا۔“

”ارے.....!“ فریدی سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ”بڑے احمق ہوں تم۔ چلو فوراً

لے چلو، جلدی کرو۔“

کار دوبارہ واپس جا رہی تھی۔

”کہو بھی کچھ اس کا مطلب سمجھ میں آیا۔“ فریدی نے کہا۔

”سمجھ میں سب کچھ آ گیا، لیکن اگر کہوں گا تو خواہ خواہ مجھے ہی احمق بننا پڑے گا۔“

”آ خر کچھ تو۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ جگہ ضرور بھوتوں سے بھری پڑی ہے۔“

”پھر وہی حماقت کی بات۔“

”میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔“

”تمہارا قصور نہیں ہر شخص یہی سمجھے گا۔ مجرم نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ

دوسری چال چلی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اپنی اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ حقیقتاً اس قتل میں بھوتوں کا ہاتھ ہے۔“

”لیکن آپ کے اس طرح قہقہے مار کر بیہوش ہو جانے کا کیا مطلب تھا۔“

”اسی چیز نے تو مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ جب سنگین نے

بوتل سے ٹکرا کر چھٹا کا پیدا کیا تھا اس وقت سب سے پہلے میں ہی اسے دیکھنے کے لئے جھکا

تھا۔ جیسے ہی میں جھکا، ایک تیز قسم کی بو نے میرا دماغ پرانگندہ کر دیا۔ لیکن اس وقت میں نے

اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن اس کا اثر آہستہ آہستہ میرے دماغ پر ہو رہا تھا۔ جیسے ہی گیدڑ کی

لاش برآمد ہوئی میں نے اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہنسا شروع کر دیا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ

آخر میں ہنسی کیوں نہ روک سکا۔ جبکہ اور لوگ خاموش تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے آپ کو

بالکل بے بس محسوس کرنے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود بھی میری ہنسی نہ رک سکی۔ اور اس کے

بعد جو کچھ ہوا وہ تم جانتے ہی ہو۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان بوتلوں میں کسی قسم کی گیس

تھی جس کے اثر سے میری یہ حالت ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوسری بوتل کے منہ پر

ایک مضبوط کارک لگا ہوا تھا۔ خدا کرے ان احمقوں نے اسے کھولا نہ ہو۔ ورنہ ایک بہر اہم چیز ضائع ہو جائے گی۔“

”اف میرے خدا۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ بد معاشوں کا اڈہ یہیں کہیں قریب ہی ہے۔“ جلدی اتنا مکمل پلان بنالینا آسان کام نہیں۔ بھی ذرا کار کی رفتار اور تیز کرو۔ کہیں ان میں کوئی اس بوتل کو کھول نہ ڈالے۔“

حمید نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان دونوں کی روانگی کے بعد ہی ایک کانٹیل نے خالی اٹھالی اور اس کا کارک نکال کر سو گھنٹے لگا۔ اچانک اس پر بھی ہنسی کا دورہ پڑا اور تھوڑی دیر بعد بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فریدی اور حمید اس وقت وہاں پہنچے جب دوسرے کانٹیل اسے میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سب بُری طرح خوفزدہ تھے۔ ان دونوں کو دیکھتے انہوں نے بیک وقت جلدی جلدی سارا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کئی نے تو یہاں تک کہ ”چاہے تو کوری رہے چاہے جائے۔۔۔۔۔ وہ اب کسی قیمت پر وہاں نہ ٹھہریں گے۔“

”تم لوگ ڈرو نہیں۔“ فریدی نے انہیں دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ بوتل نہ کھرکھی اس حال کو نہ پہنچتا۔ اب تم میں سے کوئی بے ہوش نہ ہوگا۔ لیکن اس کا افسوس ہے کہ نے اپنی بیوقوفی سے میرا بہت نقصان کر دیا۔“

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“ انچارج نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”ان بوتلوں میں کوئی نشہ آور اور ہنسارے والی گیس بند تھی۔“ فریدی نے سنجیدگی سے ”ہنسارے والی گیس۔۔۔۔۔“ انچارج نے کہا۔ ”رلانے والی گیس تو میں نے دیکھی ہے ہنسارے والی گیس کا آج تک نام بھی نہیں سنا۔“

”اگر رلانے والی گیس بن سکتی ہے تو ہنسارے والی گیس بنانے میں کیا دشواری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجرم کے علاوہ اور کسی نے اب تک اس طرف دھیان نہ دیا ہو۔“

”مگر صاحب آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ انچارج نے کہا۔

”افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ چیز ضائع ہی ہوگئی ورنہ میں سمجھا دیتا۔“

گیدڑ کی لاش اب تک اسی حال میں پڑی ہوئی تھی۔ فریدی نے آتش شیشہ نکال کر بوتل کا جائزہ لینا شروع کیا۔

”افسوس کہ اس کانٹیل کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کوئی اور نشان اس بوتل پر نہیں اور یہ ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے۔۔۔۔۔ ان پر بھی کچھ نہیں۔!“

”مگر وہ شعر۔۔۔۔۔!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کم از کم مجرم کی تحریر تو ہمارے ہاتھ آگئی۔“ ”بہت اچھے۔“ فریدی اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مگر حیرت ہے کہ مجرم اتنی احتیاط برتنے کے باوجود بھی یہاں کیسے چوک گیا۔ ذرا لپک کر وہ کاغذ کھولنا۔“ گیدڑ کی لاش سے وہ کاغذ کھول کر جب حمید پلٹا تو اس کا منہ بُری طرح لٹکا ہوا تھا۔

”اس پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔“ اس نے کہا۔

”کیا۔۔۔۔۔؟“

”یہ شعر کسی کتاب سے کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا دیا گیا ہے۔“

”یہی تو میں نے کہا کہ اتنے چالاک آدمی نے بھلا ایسی حماقت کیسے کی۔“ فریدی نے کہا۔ ”حمید صاحب اس مرتبہ اچھا خاصہ معصہ ہاتھ آیا ہے۔“

## عجیب و غریب چرچا

فریدی رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم خوابی کی سی حالت میں گیدڑ کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ کانٹیل آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ حمید گڑھے کی بقیہ مٹی نکال نکال کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔ اسے اب حمید



تھی کہ جلد ہی کوئی چیز مل جائیگی۔ جس سے سراغ لگانے میں آسانی ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ فریدی کی نگاہیں اب قرب و جوار کی زمین کا طواف کر رہی تھیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اٹھ کر گڑھے کے پاس گیا اور پڑا وہاں جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ دور جا کر وہ سیدھا کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔

”حمید..... حمید یہاں آؤ۔ تمہیں ایک دلچسپ چیز دکھاؤں۔“

حمید ہاتھ کی مٹی جھاڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

”یہ دیکھو.....“ فریدی نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا.....! مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔“

”ارے بھئی۔“ فریدی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

”جی ہاں یہ کسی چڑیا کے بچوں کے نشان ہیں۔“

”تو کیا یہ عجیب بات نہیں۔“

”عجیب بات۔“ حمید تہقیر لگاتے ہوئے بولا۔ ”مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں

آتی۔ بھلا کسی چڑیا کے بچوں کے نشانات میں کیا عجیب بات ہو سکتی ہے۔“

”بھئی مان گیا۔“ فریدی ہنستے ہوئے بولا۔

”کیا.....؟“

”نہی کہ تم زندگی بھر ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔“

”چلے میں اسے مانے لیتا ہوں۔ لیکن آخر یہ تو بتائیے کہ ان نشانات میں عجیب بات

کون سی ہے۔“

”زمین دیکھ رہے ہو کتنی سخت ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ابھی تک بارش

نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں کسی معمولی چڑیا کے بچے اتنے گہرے نشانات نہیں بنا سکتے۔ تو

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اتنے وزن

چڑیا کے ساتھ اتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا تصور انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ فوراً سوچو تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے کسی اونٹ کو گوریا کے بچے عطا کر دیئے گئے ہوں اور دوسری بات دیکھو، یہاں چار نشانوں کا درمیانی فاصلہ چار پارا انگل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جگہ چڑیا کے دو قدم پورے ہوئے۔ پہلی چیز یہ کہ اتنی وزن دار چڑیا اتنے چھوٹے پیر رکھتی ہے کہ وہ چار انگل سے زیادہ نہیں پھیل سکتے۔ یہ چار انگل نشان یہاں ختم ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر پھر ویسے ہی چار نشان ملے۔ میں لاپرواہی سے ان نشانات کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ یہ دیکھو کہیں بھی اس کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ دو قدم چلنے کے بعد اس کے لئے ڈیڑھ فٹ اچھلنا ضروری ہے۔ کہو کبھی ایسی چڑیا خواب میں بھی دیکھی تھی۔ ارے بتاؤ کیسی رہی۔“

”فریدی صاحب میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بھوت.....!“

”لا حول ولا قوہ.....!“ فریدی حمید کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ”پھر وہی چغہ پن کی باتیں۔“

”تو پھر اور کیا کیا جائے۔“

”ابھی کچھ کیا ہی کیوں جائے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور دوسری بات یہ دیکھو یہ چڑیا اس طرف سے آئی، گڑھے تک گئی اور پھر اسی طرف واپس چلی گئی۔“

”واقعی بڑی عجیب بات ہے۔“ حمید نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور دلچسپ بھی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ایسی عجیب و غریب چڑیا کا شکار دلچسپی سے

خالی نہ ہوگا۔ کیا تم اپنا پستول ساتھ لائے ہو۔“

”پستول تو ہے میرے پاس..... مگر..... مگر.....!“

”گھبراؤ نہیں..... میری موجودگی میں یہاں کے بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آؤ

میرے ساتھ چلو۔“ فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ان لوگوں کو ساتھ لے چلے گا۔“ حمید نے کانٹیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”عجیب ڈرپوک آدمی ہو..... اتنے آدمی دیکھ کر اگر چڑیا اڑ گئی تو..... تمہیں تو کوئی

کہانیاں سنانے والی دادی اماں ہونا چاہتے تھے۔ مرد بنو بر خور دار.....!“

”چلے صاحب۔“ حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

دونوں ان عجیب و غریب نشانات کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ آگے چل کر پھر جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جھاڑیوں کے درمیان ایک بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی دور تک چلی گئی تھی۔ ”دیکھو میاں حمید یہ چڑیا ہم لوگوں کی طرح عقلمند معلوم ہوتی ہے کہ جھاڑیوں میں گھسنے بجائے پگڈنڈیوں ہی پر چلتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ کافی بڑھی لکھی بھی ہو..... کیا خیال ہے۔“

”میں کیا بتاؤں..... آپ روحانیت وغیرہ کے تو قائل ہی نہیں۔ خیر کبھی نہ کبھی تو قائل ہونا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ اسی کیس کے سلسلے میں آپ کو اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑیں۔“

”بھئی تمہیں اس جھکے میں آنے کے لئے کس نے کہا تھا۔ تمہارے لئے تو کسی خانقاہ و سجادہ نشین ہی بہتر ہے۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین سمجھتا تھا۔ لیکن نکلے نرے گاؤں۔ لاجول والا تو۔“

”آپ جو چاہیں کہیں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب کسی انسان کا کام نہیں۔“

”اچھا چلو وہ بھوت ہی سہی۔ لیکن واضح رہے کہ میں اپنے علاقے میں ایسے نامعقول

بھوت کا وجود بھی برداشت نہیں کر سکتا۔“

”دیکھئے ایسا نہ کہئے.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

”کیوں..... کیا بھوت تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے الفاظ و الہ

لیتا ہوں۔“

”آپ تو سمجھتے نہیں۔“ حمید برا مان کر بولا۔

”کیا نہیں سمجھتا.....؟“

”خیر ہوگا..... بٹائیے..... مجھے کیا۔“

”آخر کچھ کہو بھی تو۔“

”اب زیادہ احمق نہیں بننا چاہتا۔“

”کیا تم برا مان گئے۔ ارے بھائی راستہ کٹنے کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ معلوم نہیں ابھی اور کتنی دور چلنا ہوگا۔“

”میرا خیال ہے کہ کیوں نہ اس کیس کو معمولی تفتیش کے بعد ٹال ہی دیا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”بھئی بہت اچھے! کیا بات کہی آپ نے۔“ فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

”لیکن حمید صاحب یہ پہلا کیس ہے جس میں مجھے صحیح معنوں میں لطف آ رہا ہے۔“

یہ دونوں اب چڑیا کے بنجوں کے نشانات پر چلتے ہوئے تقریباً ایک میل نکل آئے تھے۔ یہاں آ کر وہ پگڈنڈی ایک کچی سڑک سے مل گئی تھی۔ سڑک کے اس پار پھر گھنیری جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں وہ نشانات بھی مٹ گئے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی نشانات نہ ملے۔ فریدی کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر چٹکی بجا کر بولا۔

”تو حمید صاحب وہ چڑیا یہاں تک پیدل آئی۔ اس کے بعد پھر موٹر پر بیٹھ کر شمال کی طرف روانہ ہو گئی۔“

حمید بے ساختہ ہنسنے لگا۔

”اس وقت مجھے اپنا بچپن یاد آ رہا ہے۔“ حمید ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

”تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ دیکھو موٹر کے پہیوں کے نشانات جنوب کے طرف کہیں نظر نہ آتے۔ کوئی موٹر یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد پھر جنوب کی طرف سے شمال کی طرف گھمایا گیا۔ یہیں سے چڑیا کے بنجوں کے نشانات بھی غائب ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ چڑیا موٹر کی آواز سن کر اڑ گئی ہو۔“

”پھر وہی بچپنے کی باتیں۔ ارے میاں اگر وہ ڈھالی تین من کی چڑیا اڑ سکتی ہوتی تو اتنی ”ریدل کیوں آتی۔“

”مکی رعی بے پر کی۔“ حمید قہقہہ لگا کر بولا

”خیر خدا کا شکر ہے کہ تم بنے تو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اچھا آؤ..... اب اس موٹر

پائیں باغ کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں باغ میں داخل ہو گئے۔“

اچانک ایک بڑا کتا غراتا ہوا ان کی طرف جھیٹا۔

”جیک.....جیک.....!“ ایک نسوانی آواز آئی اور کتادم ہلاتا ہوا لوٹ گیا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ عورت قریب آ کر تیز لہجے میں

ہوئی۔ یہ ایک قبول صورت جوان عورت تھی۔ لباس کارکھ رکھاؤ اور انداز گفتگو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس گھر کی مالکہ ہے۔ اس نے پیازی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال پشت پر

نکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ سرجنٹ حمید ایک خوبصورت اور جوان عورت کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ بوکھلا سا گیا۔ لیکن فریدی کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ نہایت پرسکون لہجے میں بولا۔ ”مخترمہ! ہم لوگ محکمہ سرانصرسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ چونکے تو۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے متحیر ہو کر کہا۔

”بہت خوب..... تو گویا آپ لوگ اس باغ میں بغرض تفریح تشریف لائے ہیں۔“

”جی نہیں..... ہم لوگ تو.....!“

”خیر چھوڑیے ان باتوں کو..... کچھ سراغ ملا..... میں بہت پریشان ہوں۔“ وہ بولی۔

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

”مخترمہ! بخدا میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو... آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔“ وہ غصہ سے بولی۔

’دیکھئے صاف صاف بات کیجئے۔ ہم لوگ ایک قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔‘ فریدی نے

بے ساختہ کہا۔

”قتل.....!“ وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹے ہوئی بولی۔ ”کس کا قتل.....!“

”ایک گمنام آدمی کا۔“

’دیکھئے صاحب بیکار وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کو ایک عورت سے مذاق کرنے کی اچھی

کے پیچھے چلیں۔“

”تو گویا وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پٹنیے کی مثل صادق آیا چاہتی ہے۔“ حمید

زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”اب تو چلا نہیں جاتا۔ پہلے آپ یہ تو بتائیے کہ آپ کس پلان پر عمل

کر رہے ہیں۔ تب ہی چل سکوں گا۔“

”بچے مت بنو..... چلو اٹھو..... گرمی کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔ غنیمت یہی ہے کہ

آج لو نہیں چل رہی ہے۔“

”تو کیوں نہ ہم لوگ اپنی کار یہاں لے آئیں..... اور پھر!“

”اچھا حکومت ہمیں پیدل ہی چلنا ہے۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

”تو میں کب کہتا ہوں کہ پیدل نہ چلوں گا۔“ حمید نے ایسے معصومانہ لہجے میں کہا کہ

فریدی کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

دونوں پھر موٹر کے پہیوں کے نشانات دیکھتے ہوئے شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ آگے

چل کر جھاڑیوں کے سلسلے کم ہو گئے تھے۔ تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا گاؤں

دکھائی دیا۔ کچی سڑک اس گاؤں کے باہر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں چلے

رہے۔ ایک پختہ اور نئی وضع کی عمارت دور سے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

”نہ غالباً اس گاؤں کے زمیندار کا مکان معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

دونوں عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ نئے طرز کی ایک بڑی عمارت تھی جسے

آگے حار دلواری میں گھرا ہوا مائیں مانغ تھا۔

”دیکھئے نہ موٹر کے پہوں کے نشانات میدانِ حشر میں لے جاتے ہیں ما.....!“

”ٹھہرو.....!“ فردی حمد کی مات کاٹتا ہوا زمین پر جھک گیا۔

حمد نر اسامہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”سو دیکھو..... شاید وہ حشما بیگم، بر موٹر سے اتری ہے۔ فریدی نے حشما کے بچوں۔

نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جا کہیں کہیں نظر آ رہے تھے، فردی نشانات کو دیکھ کر

خاصی سزا مل سکتی ہے۔“

”لہجے ملاحظہ فرمائیے۔“ فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

”انسپکٹر اے کے فریدی۔“ عورت نے آہستہ سے کہا۔ ”فریدی صاحب! معاف کیجئے گا

میں بہت پریشان ہوں۔ پرسوں رات سے میری سہیلی بملا غائب ہے۔ وہ دو ماہ کے لئے یہاں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔ میں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی۔ اس وقت سمجھی کہ شاید آپ لوگ اسی کے متعلق کوئی اطلاع دیئے آئے ہیں۔“

”محترمہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اس وقت ایک عجیب و غریب چڑیا کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہمیں آپ کی سہیلی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔“

”مجھے سخت تشویش ہے..... اگر شام کو یہاں کی پولیس نے کوئی خبر نہ دی تو میں یقیناً اس معاملے کو آگے بڑھا دوں گی۔“

”اگر آپ مجھے اس چڑیا کی تلاش میں مدد دے سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔ میں آپ کی سہیلی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔“

”بھلا میں کیا بتا سکتی ہوں۔ اس باغ میں دن بھر بے شمار پرندے آتے ہوں گے۔“

مسکرا کر بولی۔

”نہیں یہ پرندہ اپنی نوعیت کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”یہی کہ اس کا وزن دو ڈھائی من سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔

”آپ تو طلسم ہوشربا کی باتیں کر رہے ہیں۔“ وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

”یہ سر جنت حمید ہیں۔“ فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بہت دلچسپ

آدی ہیں۔ آپ ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے گا۔“

”اوہ کوئی بات نہیں۔“ عورت مسکرا کر بولی۔

فریدی کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چڑیا کا راز اتنی جلدی کیوں اگل دیا۔ گرمیوں کی دوپہر میں اتنی مسافت پیدل طے کر کے ذہنی توازن برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔ بہر حال اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً سنبھل کر بولا۔

”محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ آپ ہی کے معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے تین میل کے فاصلے پر کسی گڑھے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔ لیکن وہ کسی شردکی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔“

”آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ابھی تو آپ چڑیا.....!“

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔“ وہ اس کی بات کا ٹٹا ہوا بولا۔ ”ہم سراغ رسانوں کے کام کرنے کے طریقے عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ بہر حال اگر تکلیف نہ ہو تو پہلے ہمیں تھوڑا سا پانی پلائیے۔ اس کے بعد ہم لوگ کسی قاعدے کی بات کے قابل ہو سکیں گے۔ آپ دیکھتی ہیں کتنی سخت دھوپ ہے۔“

”ضرور..... ضرور..... اندر تشریف لے چلئے۔“ وہ برآمدے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں نے اپنے کوٹ اتار کر کرسیوں پر ڈال دیئے اور زومال سے چروں کا پسینہ پونچھتے آرام کرسیوں پر گر گئے۔

”یہاں بھی کافی تپش ہے۔“ عورت بولی۔ ”میرے خیال سے اندر ٹھیک رہے گا۔“

## لاش کی شناخت

ڈرائیونگ روم میں پہنچ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عورت نے ملازم کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ ڈرائیونگ روم کو بہت ہی خوش سلیقگی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ فرش پر ایک دبیز اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفوں پر پھولدار ریشمی کپڑے کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بڑے

فریوں میں آرٹ کے عمدہ نمونے نظر آ رہے تھے۔ فریدی اس دیکھی علاقے میں یہ شرسوکت دیکھ کر متحیر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم شیشے کے جگ میں ٹھنڈا پانی لایا۔

”میرے خیال سے کچھ کھا بھی لیجئے۔“ عورت بولی۔

”جی نہیں شکریہ۔“ فریدی نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دونوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

”واقعی بھلا دیوی کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز ہے۔“ فریدی بولا۔

حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ حضرت چڑیا سے دیوی تک کیوں کر جا پہنچے۔

”کیا بتاؤں انسپٹر صاحب کہ مجھے کتنی پریشانی ہے۔“

”قدرتی بات ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔“

”کیا آپ نے انہیں اس کی کوئی اطلاع دی۔“

”اب تک تو نہیں..... سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا لکھوں۔“

”تو کیا وہ کہیں دور رہتے ہیں؟“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں..... کان پور میں..... اس کے والدین وہاں روٹی کے بہت بڑے تاجر ہیں۔“

شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔ سیٹھ کرم چند۔“

”اوہ اچھا..... تو وہ یہاں اپنے شوہر سے لڑ کر آئی تھیں۔“ فریدی بولا۔

”نہیں صاحب..... ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ میری کلاس فیورہ چکی ہیں۔“

تبدیلی آج وہاں کے لئے یہاں آئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ کی بات ہے۔“

”اور ابھی ایک ماہ اور رہنے کا ارادہ تھا۔“

”جی ہاں۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وجہ سے آپ کو اطلاع دیئے بغیر کانپور چلی گئی ہوں۔“

”ایسی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ننگے پیر بغیر سامان لئے یہاں سے چلی جائے۔“

”ننگے پیر..... کیا مطلب۔“

”جی ہاں..... سارے سینڈل اس کے کمرے میں موجود ہیں اور وہ سارا سامان بھی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔“

”حیرت کی بات ہے۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اچھا یہ بتائیے اس دوران میں ان کے پاس باہر سے کچھ خطوط بھی آئے تھے۔“

”جی ہاں..... یہ زیادہ تر ان کے والدین یا منگیترا کے ہوتے تھے۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ کو ان خطوط کے دیکھنے کا بھی

اتفاق ہوا۔“

”جی نہیں۔“

”ان کے منگیترا کا کیا نام ہے؟“

”رندھیر سنگھ۔“

”رندھیر سنگھ.....!“ فریدی تقریباً اچھلتے ہوئے بولا۔ ”کیا آپ نے اسے دیکھا بھی ہے۔“

”کئی بار.....!“

”کیا وہ کبھی یہاں آیا تھا۔“

”نہیں میں اس سے کان پور میں مل چکی ہوں۔“

”تب آپ کو میرے ساتھ کو تو اسی تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔“

”کیوں.....!“ عورت متحیر ہو کر بولی۔

”آج جس شخص کی لاش دھرم پور کے جنگل میں ملی ہے اس نے بھی اپنا نام رندھیر سنگھ لٹایا تھا۔“

”اے..... تو گویا..... تو گویا۔“ عورت کانپنے لگی۔

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔“ فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔ ”جلدی کیجئے۔“

دھنسا دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی اور ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط آدمی کر  
میں داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خلاء میں ناک رہا تھا۔

اس نے پتلون قمیض پہن رکھی تھی۔ بڑے سے لمبوترے چہرے پر اس کی بڑی  
دیران آنکھیں بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دہانہ کافی پھیلا ہوا تھا اور دونوں کانوں  
گھنے بالوں کی لکیریں تھیں چہرہ اگر طرح صاف تھا جیسے اس نے ابھی ابھی شیو کیا ہو۔  
کے ساتھ ساتھ اس کی پھولی ہوئی ناک کے نتھنے پھول چپک رہے تھے۔

بازوؤں کی ابھری مچھلیاں آستین کے اوپر سے صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔

”یہاں کون ہے۔“ وہ گرج کر بولا۔

عورت گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”جی یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی صاحب ہیں۔ بملا والے کیس کی تحقیقات  
سلسلے میں آئے ہیں۔“ وہ بولی۔

”اچھا.....!“ وہ چھڑی سے زمین ٹٹولتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک صو  
پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”کہئے انسپکٹر صاحب کچھ پتہ چلا۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ مجھے اپنے ساتھ کو توالی لے جانا چاہتے ہیں۔“ عورت بولی۔

”کیوں.....!“ اس نے تیز آواز میں کہا۔

”یہاں کہیں کوئی قتل ہو گیا ہے۔“

”تو پھر اس قتل سے تمہیں کیا سروکار۔“ بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میرا خیال ہے کہ مقتول بملا دیوی کا منگیتر ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”چلے یک نہ شد دوشد۔“ وہ جھنجھلا کر بولا۔ ”ابھی بملا ہی نے ناک میں دم کر کر  
اب ان کے منگیتر بھی اللہ کو پیارے ہو گئے..... لاحول ولا قوۃ..... جاؤ بھی جاؤ..... لیکن  
لوٹ آنا۔ خبردار! اب تمہاری کوئی منخوس سبیلی اس گھر میں قدم نہ رکھنے پائے۔“

وہ تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ عورت نے ڈرائیور سے کار لانے کو کہا اور تینوں شہر کی طرف  
روانہ ہو گئے۔

”محترمہ! ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ کون صاحب تھے؟“

”ٹھاکر دلیر سنگھ..... میرے مرحوم شوہر کے بڑے بھائی۔“

”تو کیا یہ ناپیتا ہیں۔“

”جی ہاں..... دو برس ہوئے ان کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔“

”اگر کچھ ہرج نہ ہو تو اپنے خاندان کے متعلق بھی بتا دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“ عورت فریدی کو گھورتے ہوئے بولی۔

”میں اپنی اطلاع کے لئے آپ کے خاندانی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ..... کیا آپ نے مشہور سائنسدان پرکاش بابو کا نام نہیں سنا۔ وہ میرے شوہر تھے،  
نہ سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔“

”پرکاش بابو!“ فریدی نے آہستہ سے دہرایا۔ ”وہی تو نہیں جو جھیل میں ڈوب گئے تھے۔“

”جی ہاں وہی، ان کے بعد سے ان کے بڑے بھائی ٹھاکر دلیر سنگھ میرے مگران ہیں۔“

”ہوں نے مجھے پتہ جی کے گھر نہیں جانے دیا۔ میرے پتا ایک روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ میری

ہوئی شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی

ہوں۔ آپ کو میرے خاندانی حالات سے کیا سروکار.....؟“

”اگر اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں..... یہ تذکرہ میرے لئے بہت ہی اندوہناک ہوتا ہے۔“

کو توالی پہنچ کر انسپکٹر فریدی اسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ لاش کو دیکھ کر عورت

کی طرح کانپنے لگی۔ وہ سچ مچ بملا کے منگیتر ہی کی لاش تھی۔ اس نے انکشاف پر کو توالی میں

لا چل مچ گئی۔ رندہیر سنگھ اور بملا کے والدین کو سرکاری طور پر تار دیئے گئے، عورت بڑی طرح

آف تھی۔ آفیسروں کی گفتگو سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اسے حراست میں لے لیا جائے۔



”فریدی صاحب! میں تو بڑی پریشانی میں پھنس گئی۔“ عورت پریشانی کے لہجے میں  
 ”گھبرائیے نہیں! چلے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔“  
 فریدی حمید کو کوتالی میں چھوڑ کر خود اس عورت کے ساتھ چلا گیا۔

## دوسری لاش

فریدی جب اس عورت کو پہنچا کر واپس آیا تو کوتالی میں سرجنٹ حمید کو اپنا خطر پایا۔  
 اسے بُری طرح گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔  
 ”کیوں بھی..... اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
 ”میں آپکے ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دھبے تلاش کر رہا تھا۔“ حمید نے سادگی سے  
 ”بڑے گندے خیالات ہیں تمہارے۔“ فریدی منہ سکڑ کر بولا۔  
 ”جی نہیں..... میں انتہائی پاک و صاف خیالات کا آدمی ہوں۔ جیسی تو میں یہاں  
 چھوڑ دیا گیا تھا۔“  
 ”اوہ! تو یہ کہو تم اچھے خاصے گدھے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو میں کبھی اتنے  
 باتیں نہ معلوم کر سکتا۔“

”جی ہاں..... ایسے موقعوں پر یہی ہوتا ہے۔“ حمید بدستور اسی طرح منہ چلاتے ہوئے  
 ”بھئی خدا کے لئے اب تم جلدی سے شادی کر ڈالو ورنہ اپنے ساتھ مجھے بھی  
 گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”نہیں صاحب! آپ اطمینان رکھئے۔ میں اکیلا ہی ڈوبوں گا۔“  
 ”اچھا بس چند پن ختم کرو۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تک رات کا  
 نہیں کھایا۔ چلو اب گھر چلیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ چلو تمہیں ایک دلچسپ خبر سناؤں؟

اس عجیب و غریب چڑیا کی ٹانگیں کاٹ لایا ہوں۔“  
 حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔  
 گھر پہنچ کر دونوں نے کھانا کھایا اور ایک ایک سگار سلا کر آرام کرسیوں پر گر گئے۔  
 فریدی دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد بولا۔ ”بھئی وہ عورت.....“  
 ”کافی خوبصورت ہے۔“ حمید نے اس کی بات کاٹ کر جملہ پورا کر دیا۔  
 ”پھر وہی حماقت کی باتیں۔“

”آخر آپ اس موضوع سے کیوں بھاگتے ہیں۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔  
 ”اس لئے کہ میری جنسیت عورت کی بجائے خطرات میں پڑنے سے تسکین پاتی ہے۔“  
 فریدی نے جواب دیا۔  
 ”یہ سب فلسفہ ہے..... یا پھر ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کو کسی خاص موڈ میں بنایا ہو۔“  
 حمید نے ہنس کر کہا۔

”خیر بھی یہ باتیں پھر ہوں گی۔ میں یہ بتانے جا رہا تھا کہ اس عورت کا نام سروج ہے۔  
 وہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ساتھ اسی مکان میں رہتی ہے۔ وہ اندھا تھا کر دلیر سنگھ بھی  
 بڑی پر اسرار شخصیت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ سروج کے شوہر کے متعلق بہت سی باتیں معلوم  
 ہوئیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ وہ ایک سائنسدان تھا۔ آج میں نے اس کی لیبارٹری بھی دیکھی  
 ۔ جواب بہت خراب حالت میں ہے۔ اسے عجیب و غریب چیزیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔  
 میں نے اس کے ترتیب ہوئے عجائب گھر کی بھی سیر کی۔ دنیا بھر کی عجیب و غریب چیزیں دیکھنے  
 میں آئیں۔ بسلا کے کمرے کی تلاشی لی وہاں کوئی خاص چیز نہیں مل سکی۔ اس کے دوران قیام  
 میں اس کے پاس جو خطوط آئے تھے انہیں بھی دیکھا لیکن کوئی کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔  
 سروج اور دلیر سنگھ پر سوالات کی بوچھاڑ کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دلیر سنگھ انتہائی ضدی اور چڑ  
 چڑا آدمی ہے۔ اس نے کسی بات کا بھی جواب شرافت اور سنجیدگی سے نہ دیا۔ میرا خیال ہے کہ  
 یہ لوگ کافی دولت مند ہیں اور آمدنی کا ذریعہ ان کی جائیداد ہے۔ ان کا حلقہ احباب زیادہ وسیع

حمید حیرت سے منہ پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ واقعی وہ عورت جوتوں کے استعمال کرنے والے سے ناواقف ہے۔“

”اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے جوتے دکھانے کی بجائے انہیں تلف کر دیتی۔“

”ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں چڑیا کے بچوں کی اتنی اہمیت دیکھ کر اس نے بھی مناسب سمجھا کہ جوتے آپ کے حوالے کر کے آپ کا شبہ اس مکان کے رہنے والوں کی طرف سے دور کر دے۔ کیونکہ چڑیا کے بچوں کے نشانات اس کے کپاؤٹ میں بھی پائے گئے تھے۔“

”بہر حال اس سے اس کی بے گناہی تو ثابت ہی ہو گئی۔ رہ گئے اس گھر کے دوسرے لوگ یا وہاں آنے والے، تو ان کے علاوہ اور کون ان جوتوں کو پہن سکتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو..... معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ میرے خیال سے تو اس گھر بھر کے لوگوں کو حراست میں لے لینا چاہئے۔“

”لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ میں نے سروج کو سمجھا دیا ہے کہ وہ ان جوتوں کے بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ حتیٰ کہ دلیر سنگھ کو بھی یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ ان لوگوں پر شبہ ظاہر کرنے سے قاتل بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔“

”خیر بہر حال اب آپ نے کیا سوچا ہے۔“ حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

”میں گیارہ بجے کی گاڑی سے کان پور جا رہا ہوں۔“

”کیوں..... وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا اور رندھیر کے والدین کو تار دے دیئے گئے ہیں۔“

”مجھے ان کے والدین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رندھیر یہاں آیا کیوں تھا۔ بہر حال میں کل رات تک یہاں واپس آ جاؤں گا۔ سروج کے مکان کی نگرانی کے متعلق ہدایات دے چکا ہوں اور تم خاص طور پر سروج پر نظر رکھنا۔“

”عجیب معاملہ ہے۔“ حمید اکتا کر بولا۔ ”کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا شبہ اس پر نہیں ہے اور کبھی اس کی نگرانی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔“

نہیں ہے۔ دو تین آدمی اکثر ان کے یہاں آ کر ٹھہرا کرتے ہیں اور بس..... ان میں سے ڈاکٹر ہے۔ ایک تاجر اور ایک وکیل۔ یہ سب یہیں شہر میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک زیادہ مشکوک چال چلن کا آدمی ہے۔ وہ ہے ڈاکٹر ستیش لیکن یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ شہر تو اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویسے وہ میری بلیک لسٹ پر ہے اور شاید میرے علاوہ اور اس کے کارناموں سے واقف بھی نہ ہو۔“

”ابھی تک تو ان باتوں میں مجھے کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔“ حمید نے کہا۔

”بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔“

”کوئی بُرا خیال تو ابھی تک نہیں قائم کر سکا۔“

”لیکن مجھے تو وہ مشکوک نظر آتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”مشکوک تو میں بھی تھا۔ لیکن اب یہ خیال بدل دینا پڑا کیونکہ اس چڑیا کی تلاش میں نے مجھے مدد دی تھی۔“

”ہاں..... وہ چڑیا کی ٹانگوں کا قصہ کیا ہے۔“

”قصہ کچھ نہیں۔ جو خیال میں نے پہلے قائم کیا تھا وہ سچ نکلا۔ میں نے دوران گفتگو سروج سے چڑیا کے بچوں کا تذکرہ کیا۔ سارے واقعات سن کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر اپنا چونک پڑی۔ میں نے اسے وہ نشانات دکھائے بھی۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ مجھے اپنے شوہر۔ عجائب گھر میں لے گئی اور کہنے لگی مجھے تعجب ہے کہ انہیں کس نے استعمال کیا۔ اس جوتے تلے میں لوہے کے بنے ہوئے چڑیا کے بچے جڑے ہوئے تھے اس نے مجھے بتایا کہ اس شوہر نے یہ جوتے کسی سیاح سے خریدے تھے اور انہیں اپنے عجائبات میں اضافہ سمجھ کر رکھ دیا تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ بار بار یہی کہتی تھی کہ آخر ان جوتوں کو کس نے استعمال کیا۔ میں ان جوتوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا ہوں اور اسی وقت انہیں فنکر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ حوالے کر آیا ہوں۔ اگر مجرم نے موزے پہن رکھے ہوں گے تو اس میں اس کے پیدوں انگلیوں کے نشانات ہونے ضروری ہیں۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔



”اگر اتنا ہی سمجھتے ہوتے تو میری جگہ پر ہوتے۔“ فریدی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔  
”بہر حال جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرنا اور ہاں نگرانی سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ اسے  
باقاعدہ عشق شروع کر دیں آپ کو تو بس موقع ملنا چاہئے۔“

”مطمئن رہئے۔ میں پرانی بہو بیٹیوں کو اپنی ہی سمجھتا ہوں۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”بہتر ہے کہ آپ انہیں پرانی ہی رہنے دیں۔ خیر مذاق چھوڑو۔ ہاں اس بات کا خالص  
خیال رکھنا کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔“

”نگرانی کے لئے میں نے انور، کمار اور وحید کو مقرر کیا ہے اور تم ان کے انچارج ہو۔ ان  
سے جو اطلاعات ملیں ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور ہاں ڈاکٹر ستیش کی ڈسپنری کے پاس ایک  
فقیر بیٹھا ہے۔ اس سے تمہیں ڈاکٹر ستیش کے متعلق اطلاعات ملیں گی۔ انہیں بھی محفوظ رکھنا۔“

”فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے گار کا گنجان دھواں فضا میں مرغولے بنا رہا تھا۔ تھوڑی  
دیر تک وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”ابھی تک فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ سے کوئی خبر نہیں آئی۔

مجھے تو امید نہیں ہے کہ جوتے میں کسی قسم کے نشانات مل سکیں۔ قاتل انتہائی چالاک ہے۔ اس  
نے ایسی حماقت نہ کی ہوگی۔“

”ایسا ممکن ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی  
کہ آپ کا ہاتھ ان جوتوں تک پہنچ سکے۔“

”بہر حال ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔“

پھر خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا اور  
فریدی کے ہاتھ میں کاغذ دے کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

”لو دیکھو رپورٹ آ گئی۔“ فریدی نے کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”کسی قسم  
کے نشانات نہیں مل سکے۔ حالانکہ نشانات ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ آج کل مگریموں میں عمر  
سب کے پیر کچھ نہ کچھ ضرور پیچھے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر آنے والے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اب تم جاسکتے ہو۔“  
”اچھا ابھی اب میں روائگی کی تیاری کروں۔ دیکھو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت  
ہے۔ ذرا بھی چوکے نہیں کہ کام بگڑا۔“

”آپ اطمینان رکھئے۔ اب میں پوری پوری احتیاط کروں گا۔“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔  
”اس وقت نو بجے ہیں لاش کی شناخت کے وقت سے لے کر گیارہ بجے تک کے وقفے  
میں ایک کے علاوہ اور کوئی ٹرین کا پور نہ جائے گی۔“

”میں آپ کا مطلب سمجھ گیا لیکن دوسرا کوئی کار سے بھی جاسکتا ہے۔“ حمید نے مز کر کہا۔  
”بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو بھی گیا ہو لیکن بے سود۔ رندھیر سنگھ کے مکان کے قریب پرندہ  
بھی پر نہ مار سکے گا۔ میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ لاش کی شناخت کے بعد ہی میں  
نے کانپور کے محکمہ سراغ رسانی کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا۔ اس وقت رندھیر سنگھ کے مکان کے  
ایک ایک کمرے میں پولیس کے آدمی متعین ہوں گے۔“

”تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بھئی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان  
درست کر لوں۔“ فریدی نے یہ کہہ کر مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

”وحید.....!“ فریدی نے چونک کر کہا۔ ”کیا بات ہے۔“

وحید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ رک کر دم لینے لگا۔ پھر رک رک کر بولا۔ ”ایک.....  
لاش..... اور.....!“

”کیا مطلب.....؟“ حمید جلدی سے بولا۔

”میں انسپکٹر صاحب کی ہدایات کے مطابق اس مکان کی نگرانی کے لئے جا رہا تھا۔ جب  
میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھیر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبو محسوس ہوئی۔  
اندر میرا جھیل چکا تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا  
جیسے وہ کہیں سے کھود کر نکالی گئی ہو۔“

”تو پھر تم نے کیا کیا۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔

”میں قریب کے دیہات سے چار پانچ آدمیوں کا انتظام کر کے لاش کو توالی اٹھا کر لایا ہوں۔“

”یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ حمید میرا جانا نہیں رک سکتا۔ یہ لاش دراصل میرے روکنے کے لئے ہی نکالی گئی ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے۔“

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ اسی عورت کی لاش ہے۔ جس کا تذکرہ رندھیر نے کو توالی انچارج سے کیا تھا یعنی ہلا کی لاش۔“

”ارے.....!“ حمید نے چونک کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”لیکن آپ وثوق کے ساتھ کس

طرح کہہ سکتے ہیں۔“

”ابھی تمہیں یقین آجائے گا۔ تم سیدھے سروج کے یہاں چلے جاؤ اور اسے لے کر کو توالی آؤ۔ دلیر لگے اگر اسے تنہا نہ آنے دے تو اسے بھی لیتے آنا اور ہاں دیکھو سب کام احتیاط سے کرنا۔ ممکن ہے کہ واپسی میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے۔ اس لئے ”گڈ بائٹ“ فریدی یہ کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

## دلچسپ سفر

دہلی ایکسپریس پوری رفتار سے چلتی چکھاڑتی بھاگ رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی ایک عمر آدمی کے بھیس میں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے اسے نیند نہیں آرہی تھی اور اگر شاید اس وقت نیند آتی بھی تو نہ سوتا کیونکہ سامنے والی برتھ پر لیٹا ہوا سکھ اسکی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

وہ دو تین اسٹیشن کے بعد سوار ہوا تھا اور اس وقت کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپی چیز یہ تھی کہ اس نے اس وقت بھی سیاہ عینک پہن رکھی تھی۔ فریدی سوچنے لگا کہ اگر اس

کی آنکھیں خراب ہوتیں تو وہ اس وقت اخبار نہ پڑھتا اور اگر آنکھیں نہیں تو رات کے وقت سیاہ عینک لگا کر پڑھتا کسی ہوشمند آدمی کے لئے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھ نے اس کی طرف کروٹ بدلی اور مسکرائے لگا۔

”کیوں صاحب کانپور کس وقت آئے گا۔“ اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

”کانپور نہیں آئے گا بلکہ ہم لوگ چار بجے کانپور پہنچیں گے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”ایک ہی بات ہے۔“ اس نے ہنس کر کہا اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اپنا جوتا تلاش کرنے لگا۔

جب وہ ہاتھ روم سے لوٹا تو فریدی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”فریدی صاحب آداب عرض ہے۔“ اس نے مسکرا کر جھکتے ہوئے کہا۔

اگر فریدی کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو اس اچانک حملے پر ضرور بوکھلا جاتا لیکن فریدی اسی طرح پرسکون رہا۔ سکھ نے شاید یہ سمجھا تھا کہ اچانک پہچان لئے جانے پر فریدی ضرور پریشان ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ فریدی کے اطمینان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تو وہ خود مری طرح بوکھلا گیا۔

”آداب عرض۔“ فریدی نے لیٹے ہی لیٹے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے کش لینے لگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سکھ شاید الجھن میں پڑ گیا تھا کہ لکبے کیا کہے۔ ملاں کی حالت بالکل اس بچے جیسی ہو رہی تھی جس کی شرارت سے اچانک کوئی کارا اشارت ہو جائے اور وہ بوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب مشین کس طرح بند کی جائے۔ وہ کھٹی کھٹی آواز میں کھانسنے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

”فریدی صاحب کہئے کیسا پہچانا۔“ وہ دوبارہ جھپنی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”اولاً“ فریدی چونک کر بولا۔ ”لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پہچان کر بھی خواہ مخواہ دخل در معقولات کی ضرورت نہیں سمجھی۔“

”آپ بھلا مجھے کیا جانیں۔“ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

”کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی ڈاڑھی اور کس دونوں نقلی ہیں۔“ فریدی نے لیٹے ہی لیٹے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سکھ چپ چاپ اپنی برتھ کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھرائے آرہے تھے اور پنکھا چل رہا تھا لیکن پھر بھی سکھ کے ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اس نے سر ہانے رکھے ہوئے چھوٹے سے اسٹیجی سے ریوالور نکالا اور فریدی کی طرف تان کر کہنے لگا۔

”بس خبردار اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔“

”عجیب احمق آدمی ہو۔“ فریدی نے ہنس کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ مخواہ اٹھنے کی کوشش کروں گا۔“

”یکومت!“ سکھ گرج کر بولا۔

”دیکھو بھی گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے۔ ورنہ مجھے کہیں سچ بچ نہ اٹھ

پڑے۔“ فریدی نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔ ”تم آخر چاہتے کیا ہو۔ سب سے پہلے

تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ مجھے لوگ میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ لیکن میں نے

نہ مانا۔ پھر تم نے میرا مسکھ اڑانے کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پہچان گیا۔ لیکن میں نے

بھی ٹال گیا حالانکہ میں نے چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا کہ تم اس طرح سے کہتے ہو کہ کہ

پہچانا۔ میں تو تمہارے خواہ مخواہ مذاق پر کچھ نہ بولا۔ لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری داڑھی

اور کس نقلی ہیں تو تم نے ریوالور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چشمہ

کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے پتہ نہیں لوگ اب

آدمیوں کو تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔

ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر ریوالور نکال لو اور پھر چھیڑ چھیڑ پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تھی

تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر قابو رکھنا سیکھو

ہاں ریوالور کا رعب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جنگ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ

اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کا ریوالور لا حول ولاقوۃ مجھے میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ سردار جی۔“

سکھ کا ریوالور والا ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ جھک گیا۔ اس کا

چہرہ پسینے سے تر تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر کھنکھار کر کہنے لگا۔

”معاف کیجئے گا۔ میجر صاحب مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ۔ آپ بھی سرکاری

آدمی ہیں۔ میں دراصل سی آئی ڈی کا انسپکٹر ہوں۔ آج کئی دن سے میں بہت بڑے بد معاش

کے چکر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی

آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جناب میجر صاحب۔“

”کوئی بات جنمیں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اکثر دھوکا ہو ہی جاتا ہے۔ کہاں تشریف

لے جا رہے ہیں آپ؟“

”کان پورا“

”چلے سفر مزے میں کئے گا۔ میں بھی کانپور جا رہا ہوں۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“

”آپ آج کل کہاں تعینات ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”لہ آباد میں!“

”جب تو آپ بڑے مزے میں ہوں گے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”کیوں مزے میں کیوں؟“ سکھ نے حیرت سے کہا۔

”خوب امرود کھاتے ہونگے۔“ فریدی نے کہہ کر ایک بھداسا قہقہہ لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔

”آپ سگار پیٹے ہیں۔“ فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں شکریہ۔“

”تو پھر کچھ باتیں کیجئے تاکہ راستہ کٹے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ ریوالور دیکھتے ہی

نوفکر ہوگئی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”جی مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ سکھ نے ہنس کر دانت نکال دیے۔

”کوئی بات جمیں کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

ٹھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سکھ بولا۔

”دیکھئے کب تک وہ بد معاش ہاتھ آتا ہے۔“

”کون بد معاش؟“ فریدی چونک کر بولا۔

”وہی فریدی!“ سکھ نے کہا۔ ”جس کے دھوکے میں خواہ مخواہ آپ کو پریشان کیا۔“

”دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑ سکے۔“

فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔“

”ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔“ سکھ بولا۔ ”آپ نے لہ آباد کے کینیڈا بنک

چوری کا حال ضرور سنا ہوگا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوکید

بھی جان سے مار ڈالا۔“

”تب وہ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا ”اور آپ اسے تنہا گرا

کرنے نکلے ہیں۔“

”جی نہیں ہم کئی ہیں۔“

”اچھا!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔“ سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کی تا

کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل ہنسنے لگا۔

”اچھا بھئی میجر صاحب اب تو نیند آرہی ہے نمسکار!“ سکھ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

”اچھا صاحب شب بخیر۔“ فریدی نے جلا ہوا سا گار کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

رات کے تقریباً تین بج رہے ہوں گے سکھ خرائے لے رہا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ

اور دھنسا سوتے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ فریدی

عرفت میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمیر، کچھ اس اچانک حملے سے پیدا شدہ بدحواسی

اور کچھ بوکھلاہٹ۔ ان سب چیزوں نے اس میں جدوجہد کی قوت نہ رہنے دی۔ فریدی نے

اس کی ٹائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر جکڑ دیے۔ اب وہ برتھ پر بے بس پڑا ہوا

گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مسکراتا رہا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے شکار کی پھڑ پھڑاہٹ

سے کافی محظوظ ہوا کرتا تھا۔

”اب میں اپنے پیارے سی آئی ڈی انسپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے جبکہ

کر سکھ کی ڈاڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اکھڑ آئے اور اس کی منڈھی ہوئی

شعاف ٹھوڑی دکھائی دینے لگی۔ فریدی نے ڈاڑھی کے بال نوچ لئے اور اس کی پگڑی اتار دی۔

”آہا! ڈاکٹر ستیش تم سے اتنی جلدی ملنے کی امید نہ تھی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے جا رہا تھا۔

”شور مت مچاؤ ستیش!“ فریدی گرج کر بولا۔ ”آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے

ہو۔ دیکھتا ہوں اب کیسے بچ نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے

بھی واقف تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ بچ نکلتے تھے۔“

”دیکھا جائے گا۔۔۔۔۔ اس وقت تم نے کون سے قانون کے تحت مجھے باندھ رکھا ہے۔ تم

میرا کچھ نہیں کر سکتے۔“ ستیش تیزی سے بولا۔

”بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”کم از کم چھ مہینے کے لئے

تو ضرور جاؤ گے۔“

”تم مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“ ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

”اور تمہیں کھول ہی دینے پر کیا اچھا ہوگا۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”تمہیں کھول دوں

تا کہ تم مجھے اپنے بغیر لائنسنس کے ریوالور کا نشانہ بنا دو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔“

”دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں تمہیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے

پڑیں۔“

”میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔“

”تو تم نہیں کھولو گے۔“

”ہرگز نہیں!“

”اچھا دیکھ لوں گا۔“

”جی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں پچھتانا پڑے بہت ممکن ہے کہ بھلا اور رند میری زور لگا کر تمہیں زیادہ دنوں کے لئے بھجوادیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

بھلا اور رند میر کا نام سن کر ڈاکٹر ستیش کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ فریدی حیران آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

”کیوں چپ ہو گئے۔“ فریدی نے اپنے شانے اچھالتے ہوئے کہا۔ ”کیا غلط کہ ہوں؟ کچھ بتانا ڈاکٹر آخر اس بھیس میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟“

”اگر فرض کرو میں یہ نہ بتاؤں تو!“ ڈاکٹر ستیش نے تیزی سے کہا۔

”تمہاری مرضی..... میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔ لیکن اس وقت ڈرو جب سول پولیس کے رنگروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کئے بغیر تم سے ساری باتیں اُٹھ شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتا دو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل جائے گی..... ورنہ!“

فریدی تھوڑی دیر تک رک کر ڈاکٹر ستیش کے چہرے کے آثار چڑھاؤ کو بغور دیکھتا رہا اچانک بولا۔

”شام والی لاش بھلائی کی تھی نا؟“

”ہاں آں کیا مطلب!“ ڈاکٹر ستیش چونک کر سنبھلتے ہوئے بولا۔ ”تم نہ جانے کہ“

سیدھی ہانک رہے ہو۔“

”خیر میرا مقصد حل ہو گیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے یہ“

کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سہی۔ اچھا اتنا تو بتائی دو کہ جب تم مجھے پہچان گئے تھے تو خواہ خواہ

چھپنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“

ڈاکٹر ستیش مسکرانے لگا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے ہنس کر کہا۔

”واہ فریدی صاحب آپ کیسے سراغ رساں ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھے۔ بھی آپ کو دس بجے رات اسٹیشن کی طرف آتے دیکھا تو مجھے مذاق سوچا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھی بدلہ اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے اسٹیشنوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے اتفاقاً مجھے اسی ڈبہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ اتفاق نہیں تو اور کیا ہے۔“ ڈاکٹر ستیش ہنسنے لگا۔

”بہت اچھے!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”میری چہری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو۔“

ڈاکٹر میرے لئے تمہاری یہ باتیں کسی چھ مہینے کے بچے کی ”غوغاں“ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آ گیا تھا کہ میں کانپور ہی کی طرف سفر کروں گا۔ جب کہ گیارہ بجے اور دوسری تین گاڑیاں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔“

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ غبات اور کچھ جھجھلاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

”خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتے کہ تم نے مجھے خواہ خواہ کیوں چھپا رکھا۔“ فریدی نے سہارے لگاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔“ ڈاکٹر ستیش نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔ ”اور میں تم سے استعفا کرتا ہوں کہ بار بار یہی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”تم عجیب گدھے کے بچے ہو۔“ ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

”ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا بچہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب ہونے کی وجہ سے گدھے کا بچہ ہوں..... یا..... پھر.....!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تمہارا سر!“ ڈاکٹر زور سے چیخا۔

”ہاں ہاں میرا سرا“ فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا میرا سر کو..... موجود تو ہے۔“

”چپ رہو الو کے پٹھے!“ ڈاکٹر ستیش زچ ہو کر زور سے چیخا۔

”اچھا چپ ہو گیا الو کا پٹھا!“ فریدی نے اسی انداز میں چیخ کر کہا اور چھت کی طرز دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرایا۔

”ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو بھی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنساؤ گے کیا؟ اگر دیوار ٹوٹ گئی تو!“ فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”یہ اچھی علامت ہے۔“ فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔“ ستیش نے تنگ آ کر کہا۔

”لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں۔“

”او یو بروٹ!“ ڈاکٹر ستیش اس بُری طرح چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”خوب دل کھول کر ہنس لو لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ ستیش۔

غصہ سے ہانپتے ہوئے کہا۔

”کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بول والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات۔

وجہ بھی ہنسی آنے لگتی ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر ستیش کا منہ پھر اتر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ڈاکٹر جی جتنا وہ کس کی ایجاد ہے۔ تم سے تو اس کی امید نہیں..... تم ٹھہرے گھماڑ آؤ۔

”تم مجھے کیا سمجھے ہو۔“ ڈاکٹر ستیش نے فخریہ لہجے میں کہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

”تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ کیسی گیس، کیسی ایجاد..... گھماڑ تم خود ہو گے۔“

”خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہو گا کہ میں کتنا گھماڑ ہوں۔“

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر تک چیخنے رہنے سے وہ غڑحال سا ہو گیا تھا۔ ایک

بارے ہوئے نامید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

فریدی اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا

تھا۔ فریدی نے گھڑی دیکھی۔ گاڑی پندرہ منٹ کے بعد کانپور پہنچنے والی تھی۔

## تیسرا شکار

دوسرے دن فریدی کانپور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ستیش بھی تھا جس کی نگرانی کے لئے کانپور کے دو کانسٹیبل ساتھ آئے تھے۔ حمید فریدی کو لینے کے لئے اسٹیشن آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ستیش کو اس حال میں دیکھ کر متعجب تھا۔

”یہ حضرت کہاں؟“ اس نے فریدی سے کہا۔ ”میں یہاں خواہ خواہ پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ کہاں لاپتہ ہو گئے۔“

”بھئی میں ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر ستیش اسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

وہ لوگ اسٹیشن سے نکل کر باہر آئے۔ حمید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر

ستیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ

کانسٹیبلوں نے اسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر ستیش چیخ کر زمین

پر آ رہا۔ گولی سر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حمید اس طرف جھپٹے

بھر سے فائر ہوا تھا۔ لوگ ادھر ادھر بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی



بھگدڑ مچی جیسے عنقریب بمباری ہونے والی ہو۔ فریدی بڑی طرح جھلایا ہوا تھا۔

”بالکل بیکار ہے حمید..... ان کم بختوں کی بدحوی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے نکل

اس نے رک کر پیشانی سے پینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

حمید نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔

”یہ آخر ہوا کیا؟“

”بہت بُرا ہوا اب از سر نو کام کرنا پڑے گا۔ ساری محنت برباد ہوگئی۔“ فریدی نے

پلٹے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر ستیش کی لاش کو توالی لائی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس حادثہ کی خبر سارے

میں مشہور ہوگئی۔ فریدی سے بیان لیا گیا۔ اس نے ستیش کی گرفتاری سے لے کر موت تک

سارے واقعات بتائے۔ لیکن اس نے اپنے اس شبہ کا اظہار نہ کیا کہ ڈاکٹر ستیش کا قتل

والے کیس سے بھی ہے۔ اخبارات نے اس نئے حادثے پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں

حمید پورے حالات جانتے کے لئے بڑی طرح بے چین تھا۔ کو توالی سے فرصت

جب دونوں گھر آئے تو حمید سے صبر نہ ہوا۔ وہ پھر پوچھ بیٹھا۔ فریدی سفر کے سارے

بتانے کے بعد بولا۔

”ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ وہ لاش بملائی کی تھی نا۔“

”جی ہاں بملائی کی!“ حمید نے کہا۔ ”اور سرج حوالات میں ہے۔“

”کیا مطلب؟“ فریدی نے چونک کر کہا۔

”آپ کے جانے کے بعد میں سرج کو کو توالی لایا۔ حالانکہ لاش خراب ہو چکی تھی

کا چہرہ بڑی حد تک بگڑ گیا تھا لیکن سرج نے اسے پہچان لیا۔ اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔

نگھ کی ضمانت ہوگئی۔ لیکن سرج ابھی تک حوالات ہی میں ہے۔“

”یہ بہت بُرا ہوا۔ ان گدھوں کو کبھی عقل نہ آئے گی۔ سارا بتایا کھیل بگاڑ دیا کم

نے۔ تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔“

”میں نے چیف انسپکٹر سے کہہ کر رکوانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی

نہ دیا۔“

”خیر اور کوئی خبر!“

”ڈاکٹر ستیش یہاں سے غائب ہی ہو گیا تھا۔ دلیر نگہ اور سرج کی گرفتاری کے بعد

مکان کی نگرانی کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔“

”حمید تم اتنے بدھو کیوں ہوتے جا رہے ہو۔“ فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے

کہا۔ ”جہمیں یہ کیسے سوچیں کہ یہی دونوں مجرم ہیں۔ اس قسم کے کام اکیلے نہیں کئے جاتے ہیں۔

شروع ہی سے چیخا آ رہا ہوں کہ اسیں کسی گروہ کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی تم نے لکی حفاظت کر ڈالی افسوس!“

”اب کیا بتاؤں ہوئی گئی غلطی۔“

”بس قصہ ختم آلو کہیں کے۔“

”کانپور میں کیا رہا۔“ حمید تھوڑی دیر خاموش ہو کر بولا۔

”کانپور میں میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ڈاکٹر ستیش ہی اس گروہ کا سرغنہ ہے۔ لیکن

یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔ اس سے صاف

ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ خود اس نے کسی قسم

کا بیان نہیں دیا لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پتہ لگایا تھا کہ وہ اس گروہ سے

تعلق ضرور رکھتا ہے۔ ایک بات صاف نہ ہو سکی کہ وہ اس وقت بھی بدل کر کانپور کیوں جا رہا

تھا۔ اگر اس کا مقصد رندھیر سنگھ کے گھر کی تلاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹرین میں چھیڑا کیوں

تھا۔ چپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔“

”ہاں واقعی یہ چیز عجیب و غریب۔“ حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”میں ایک نتیجہ پر اور پہنچا ہوں وہ یہ کہ جس وقت بملا کے گولی لگی وہ رندھیر کے موٹر

سائیکل کے کیربیر پر بیٹھی تھی۔ رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جلاپور سے آ رہا تھا اور

اس نے دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔ گولی لگتے ہی بملا گر گئی تھی۔ اس

کے گرنے کے بعد رندھیر ہاں کچھ دیر کا بھی تھا۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ دیکھو یہ خط مجھے کانپور میں رندھیر کے کمرے کی تلاشی لیتے وقت ملا تھا۔“ فریدی جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

”رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں مجھے آکر بچاؤ کسی طرح یہاں آکر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آرہے ہو لیکن اس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس خط کو پڑھ کر جلا دینا!

بملا۔

”لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیسے لگالیا۔“

”نہایت آسانی سے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر مجھے یہ خط نہ ملتا تو مجھے نہ جانے کتنا

بھٹکتا پڑتا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھتے۔“

سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہوگا تو اس نے اس کے جواب میں بملا کو لکھا ہوگا کہ وہ اسے ڈالے جانے کے لئے آرہا ہے اور اس نے اس سے تمام واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بملا اور رندھیر دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا اس نے سائیکل حاصل کی اور بملا کو اس پر سوار کر کے لے بھاگا۔ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ پہلے انہوں نے بملا کو ختم کیا۔ جب رندھیر یہاں سے پولیس لے گیا تو انہوں۔

گولیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بملا کے غائب ہوجانے کا ذمہ دار بھی بنا دیا۔“

”لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلا کہ وہ یعنی رندھیر بملا کا منگیترا تھا۔ آخر اس کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بملا کے فرار کی ذمہ داری اس پر کیوں عائد ہوتی۔“ حمید نے کہا۔

”نہایت آسانی سے..... بملا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے۔ لہذا اس کی روائگی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہوجانے سے لوگوں کو یہی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے منگیترا ہیں۔“

”ہوں!“ حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”مہر موٹر سائیکل کا نمبر ملانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موٹر سائیکل کا نمبر نہ ملایا جاتا تو اس کے مالک کا پتہ نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ پولیس ادھر ادھر اندھیرے میں سرماتی پھرے۔ وہ تو دُعا دو گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش برآمد ہوگی..... ورنہ ہنوز روزِ اول ہوتا۔“

”اب آپ نے کیا سوچا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سروج کو رہا کر کے جلا پور پہنچانا ہے۔“

”ہے ہے..... عشقِ اول دردِ دل..... اے دل!“ حمید نے بطرِ زوالی جھومتے ہوئے کہا۔

”کیا کہتے ہو!“ فریدی بیزار سی بولا۔

”اے کیا پوچھتے ہیں حضور..... بس یہ سمجھ لیجئے کہ پرانے مصنفوں کے الفاظ میں وہ ملائک فریب، پری تمثال، روش مہر و مد و انجم، لعبت جبین، زہرہ جبین، بہ لبھائے شکرین، سراپا





طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔“ دلیر سنگھ غصہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

”مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج بہن۔“

”لیکن آپ نے کیا کیا ہے۔“ سروج رندمی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی کیوں نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔“

”قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔“ سروج سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”اب میں ک

جاؤں۔ پتاجی سے جا کر کہوں گی کیا..... شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیں۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہ

ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کسی کے لئے بار بٹنا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لوں گی۔“

”کیا تم ایک بھائی کی التجا ٹھکرا دو گی۔ انسانیت کے نامے میں تم سے درخواست کرو

کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھائی

طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔“

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رونے کی وجہ سے سوج آئی تھیں اس نے

کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

”یہ ڈاکٹر ستیش کے قتل کا کیا واقعہ ہے۔“ تھوڑی دیر بعد سروج نے بھرائی ہوئی آ

میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ سروج کاری سیٹ کی پشت

تک لگاتی ہوئی بولی۔

”تو کیا تم ڈاکٹر ستیش کو اچھی طرح جانتی تھیں؟“

”جی ہاں! وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔“

”کیا دلیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی۔“

”نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی موت کے بعد بڑے ٹھاکر سے

ان کی گہری چھٹنے لگی۔“

”بھلا سہ وہ بے تکلف تھے یا نہیں؟“

”قطعاً نہیں!“

”کبھی بھلا ان کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی یا نہیں۔“

”کبھی نہیں!“

”کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دلیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”اچھا تمہارے شوہر پر کاش بالو سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟“

”میرے شوہر ایک مشہور سائنس داں تھے۔ وہ آئے دن نئے تجربات کیا کرتے

تھے۔ ڈاکٹر ستیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجہ یہی تھی۔“

”تمہارے شوہر کس قسم کے تجربات کیا کرتے تھے۔ انکا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہوگا۔“

”انہیں گیسوں کے تجربات کا زیادہ شوق تھا۔ اس سلسلے میں وہ کئی بار بہت سخت بیمار بھی

پڑے تھے۔“

”تیار کیسے پڑے تھے۔“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”ایک بار تو بہت ہی عجیب و غریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پرکاش بابو اپنی لیبارٹری میں کسی

گیس کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ میں اتفاق سے اس

طرف جاٹکی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر ہنس رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہنسنے دیکھ کر

میں بھی یوں ہی ہنسنے لگی اور میں نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا لیکن جواب نہ ارد۔ وہ برابر ہنسنے

کی جارہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابلی معلوم

ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

## چوتھا حادثہ

چار بجے شام کو فریدی دن بھر کا تھکا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دن بھر ٹھاکر دلیر سنگھ کے دوستوں کو ٹھوتا رہا تھا۔ ڈاکٹر ستیش کے گھر کی ملاشی تو اس نے اسی دن لے لی تھی جس دن اس کا قتل ہوا تھا۔ معمولی ناشتہ کے بعد وہ اپنے کتوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس تقریباً ایک درجن کتے تھے اور ہر کتا اپنی مثال آپ تھا۔ کتوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے بعض بے تکلف احباب اسے خولجہ سنگ پرست کہنے لگے تھے۔ صرف کتوں پر ہی منحصر نہیں۔ اس کے شوق عجیب و غریب تھے۔ اسے عجائبات کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کی کوٹھی کا ایک کمرہ دنیا کی عجیب و غریب چیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز مختلف قسموں کے سانپ تھے۔ وہ ایک ماہر پیڑے کی طرح ان کی پرورش و پرداخت کرتا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تھیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں پر اس کے سارے ہم پیشہ اس کا مسخہ اڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت کے لئے اس قسم کی عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتا ہے۔

کتوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر فریدی اپنے عجائب خانے کی طرف گیا۔ جیسے ہی وہ ”سرے برآمدے کی طرف مڑا اسے سروج دکھائی دی جو عجائبات کے کمرے سے نکل رہی تھی۔ ”تو آپ کو بھی اس کا شوق ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”کیوں کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں۔ وہاں کئی بہت سی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔“

”آخر آپ نے اتنے سارے سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں۔“

”پہ نہیں کیوں مجھے سانپوں سے عشق ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن فریدی بھیا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔“

”لیکن یہ میرے لئے میرے پالتو کتوں کی طرح بے ضرر ہیں۔“

”تو پھر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہوگا۔“

ہوش ہو کر گر گئے۔“

”اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا۔“

”میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ٹالتے رہے۔“

”اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا۔“

”جی ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آگئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں ٹھیک تھیں۔“

اور ڈاکٹر ستیش کو بھی اس کا علم تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکروں۔“

علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔“

”تم یہ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔“

”وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ البتہ یہ میرا اندازہ ہے کیونکہ پرکاش بابو نے ان کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہیں۔“

”ہوں!“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان چڑیا۔“

بچوں والے جوتوں کو کون استعمال کر سکتا ہے۔“

”نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائبات رکھے ہیں ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔“

اس کی کنجی یا تو میرے پس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔“

”خیر!“ فریدی نے کھانتے ہوئے کہا۔ ”مگر بھئی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑے۔“

آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”نہیں یہ بات نہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غصے میں دیکھا ہے۔ ان کی نز۔“

سارے علاقہ میں مشہور ہے۔ وہ بھنگیوں تک کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میری یاد۔“

میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلامی نہیں کی۔ آج ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہیں۔“

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں نیم داہوتی جا رہی۔“

یہ ایک ان میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

”نہیں ایسا تو نہیں..... ان میں سے بہترے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک نکالا نہ  
نہیں گیا۔“

”انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔“

”میں خود! فریدی نے کہا۔“ آؤ تمہیں تماشا دکھاؤں۔“

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ الماری  
کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ ایک بیک بیک کاروں کی آوازیں سنائی  
دیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ نکلنے لگے۔ سروج چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔

”ڈرو نہیں یہ کچھ دوسری بھی بدتر ہیں ان میں زہر نہیں۔“

فریدی نے میز پر سے ”دودھ کا برتن اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر ٹوڑ  
پڑے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اٹھا کر اسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر پے  
پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرے برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر سروج  
پھر چیخ پڑی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

”ڈرو نہیں سروج بہن یہ سب میرے دوست ہیں۔“

”مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرانگ روم میں آپ کا انتظار کروں گی۔  
سروج یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں  
گئے۔ فریدی نے تھوڑی دیر ٹھہر کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کچھ گنگناتا ہوا باہر نکل آئے۔  
سرجنٹ حمید تیز قدموں سے عجائبات کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ  
رک گیا۔

”کہو بھی کیا خبر ہے۔“

”ہو۔“

”کوئی خاص خبر نہیں کو توالی سے آ رہا ہوں۔ ابھی ابھی دلیر سنگھ کا نوکر آپ کے نام  
پر خط دے گیا ہے۔“

فریدی خط پڑھنے لگا۔

”فریدی صاحب تسلیم!

مجھے اپنے کل کے رویے پر سخت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے غصہ  
آیا تھا۔ سروج کو سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف  
کر دے۔ میں نے اس کی شان میں بہت ہی ناز پیدا لیا استعمال کئے ہیں جس  
کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے جب تک وہ یہاں نہ آ جائے گی مجھے  
سکون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔

منجانب: ٹھاکر دلیر سنگھ

”تو ہوش آ گیا ٹھاکر صاحب کو۔“ فریدی نے کہا۔

”اور یہ بہت بُرا ہوا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”کیوں؟“

”میں یہ کیا جانوں۔ لیکن سروج سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجئے گا؟“

”آخر کیوں۔“ فریدی نے سمجھانے انداز میں پوچھا۔

”ارے تو کیا واقعی آپ!“ حمید ادھوری بات کر کے چپ ہو گیا۔

”عجیب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر بات کیا ہے۔“

”کیا آپ سچ سچ سروج کو واپس بھیج دیں گے۔“

”تو اس کی وجہ کی کیا بات ہے۔“ فریدی نے ڈرانگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”سنئے تو سنی!“ حمید اسے روکتے ہوئے بولا۔ ”کیا واقعی آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔“

”کہیں میں تمہاری پٹائی نہ کر دوں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”خواہ مخواہ بھیجا چائے

”صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔“

”فرمائیے!“ فریدی رکتے ہوئے ہنس کر بولا۔

”تو واقعی کیا آپ سروج.....!“

”بکواس بند!“ فریدی جھلا کر بولا۔

سروج ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ حمید کھیرا ہنسنے لگا۔

”کیا بات ہے۔“ سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ سروج نے حمید پر ایک اچھتی سی نظر

اور وہ بھی چلی گئی۔ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا سر کھجاتا رہا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر شرارت

مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور چیخ مار کر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

چیخ کی آواز سن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

”ارے ارے کیا ہوا۔“ فریدی حمید کی طرف جھپٹنے ہوئے بولا۔

”حمید حمید.....!“ وہ اسے جھنجھوڑ کر پکارنے لگا۔

”ابھی تو اچھے بھلے تھے۔“ سروج نے کہا۔

”نہ جانے کیا ہو گیا۔“ فریدی نے حمید کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ واقعی سروج.....!“ حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے جھنجھلا کر اس کا منہ دبا دیا۔ ”چپ رہو۔“ فریدی نے اس کا منہ دبائے ہوئے

”ارے ارے.....!“ سروج کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”تم اسے نہیں جانتیں معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔“

”صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ سروج نے کہا۔

”اور میری بات!“ حمید اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

”ارے!“ سروج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

”حمید اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہوگا۔“ فریدی نے ناخوشگوار لہجے

میں کہا۔

”آپ بہر حال میرے آفیسر ہیں۔“

”آ خرابات کیا ہے۔“ سروج نے کہا۔

”کچھ سرکاری معاملات ہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

”آؤ چلیں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ فریدی نے سروج سے کہا حمید باہر کھڑا رہا

اور وہ دونوں چلے گئے۔

”آ خرابات کیا ہے؟“ سروج نے پھر پوچھا۔

”کچھ نہیں یونہی مجھے تنگ کر رہا ہے۔“

”اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں کو زیادہ سرنہ چڑھانا چاہئے۔“ سروج نے کہا۔

”مشکل تو یہی ہے کہ اسے میں ماتحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے

ساتھیوں میں سب سے زیادہ باسلطہ اور ذہین ہے۔ ہاں خیر چھوڑو..... لو یہ خط دبیر سنگھ نے مجھے

بجھوایا ہے۔“

سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

”تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔“ سروج خط پڑھ کر بولی۔

”اُس کے متعلق بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔“

”اور میں آپ کے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔“ حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جھلا کر میز پر رکھا ہوا رول اٹھا لیا اور حمید سم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا خاموشی

سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید میں کیس کے

معلق بخشیں چھڑ گئیں اور سروج اکٹا کر باہر چلی گئی۔

”یہ کیا حماقت تھی۔“ فریدی سروج کے چلے جانے کے بعد بولا۔  
”کیسی حماقت!“

”دیکھو سروج میری مہمان ہے۔ تمہیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں کہ اسے دکھ پہنچے۔“  
”تو یہ کہنے کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کر رہا ہوں۔“  
”میں سمجھا نہیں۔“

”محبت کرنے والوں کے پاس سمجھ ہوتی کہاں ہے۔“

”پھر وہی بکواس!“ فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ ”میں تمہیں آخری بار سمجھاتا ہوں کہ اب اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہنا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو۔“  
”جی نہیں میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔“

”دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلاہٹیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے والد صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی معقول انتظام کر دیں۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پچھلے دو ماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔“

”اچھا بھی اب ختم کرو یہ قصہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”کوئی قاعدے کی بات کرو۔“

”میرے خیال سے سول میرج ہی زیادہ قاعدے کی بات رہے گی۔“

”تم زندگی بھر سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے برا سامنہ بتاتے ہوئے کہا۔

”سچ بچ بتائیے گا آپ کا عشق کن منزلوں پر ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”کسی پریشان حال عورت کو سہارا دینا بھی ستم ہو جاتا ہے۔ ہلت تیری قسمت کی لکھی کی تھیں۔“

”آپ خواہ خواہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔“ حمید نے

اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”اچھا میرے جاں نثار اب چپ ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“ فریدی

نے اکٹا کر کہا۔

”تو اس طرح یہ اس شہر میں چوتھا قتل ہوگا۔“ حمید اپنے چہرے پر اداسی پیدا کرتے ہوئے بولا۔

اس کی مٹھکے خیز صورت دیکھ کر فریدی کو ہنسی آ گئی۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسپور اٹھالیا۔ ”ہیلو!“

”اوہ فریدی صاحب! میں سدھیر بول رہا ہوں۔ دھرم پور کے جنگل میں پھر ایک حادثہ ہو گیا ہے۔“

”کیا کہا حادثہ!“

”جی ہاں..... قتل..... ہم لوگ جا رہے ہیں۔ آپ اور حمید صاحب سیدھے وہیں پہنچ جائیے۔“  
”تو بھی..... چوتھا قتل بھی آخر ہو ہی گیا۔“ فریدی نے ریسپور رکھتے ہوئے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

”کہاں؟“

”وہیں..... دھرم پور کے جنگل میں..... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ارے لو..... باتوں میں اندھیرا ہو گیا۔ اپنی نارج ضرور لے لینا۔ جلدی کرو ورنہ کہیں لوگ کچھ گڑبڑ نہ کریں۔“  
”اب تو جناب میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی سچ مجھے قتل کر دیتا تو اچھا تھا۔ یہ ملازمت کیا ہے، آفت ہے لاجول والا تو؟!“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔  
”دونوں کمرے کے باہر نکل گئے۔“

## فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ دھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر اسٹریٹر فریدی کی کار تنز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

”بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔“ حمید نے بے دلی سے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”پریشانی آپ کو نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ

کون گدھا ہے جس نے قتل کے لئے ایسی غیر شاعرانہ جگہ منتخب کر رکھی ہے۔ ارے قتل کرنا ہے

ہمارے گھر کے آس پاس کہیں کر دیا کرے۔“ حمید نے بیزاری سے کہا۔

”جی نہیں!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسے چاہئے کہ قتل کر کے لا

آپ کے گھر بھجوا دیا کرے۔“

”حمید ہنسنے لگا۔“

”کیا زندگی ہے ہماری بھی..... نہ دن چمن نہ رات آرام..... اس سے بہتر تو کلر کی مچی

صبح دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آ رہے ہیں۔ اس کے بعد راز

اپنی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا بوڑھی عورتوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔“

”کاش میں بوڑھی عورت ہی ہوتا مگر سراغ رساں نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی ریوالور کی

پر رکھی رہتی ہے۔ یا پھر سراغ رساں ہو انگریزی جاسوسی ناولوں کی طرز کی کہ جاسوس نے کسی

کی خبر سنتے ہی ایک آنکھ بند کی، کانڈھوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ ایک

منہ بسورا اور اچانک مسکراتے ہوئے قاتل کا نام معہ ولدیت اور پتہ بتا کر اپنے فرض

سکدوش ہو گیا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات بھوتوں کی طرح.....!“ حمید رک کر کچھ سوچنے لگا۔

”کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔“ فریدی نے اکتا کر کہا۔

”ارے باپ رے باپ۔ دیکھئے کتنا اندھیرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول

ہیں۔ میں تو صاحب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جنم میں گئی ملازمت..... میرے پیچھے پڑوں میں

نہیں ہے کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر قتبے لگانا پھروں اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔“

”تم بھی عجیب آدمی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا ابھی تک تمہارے دل سے بھون

نیاں نہیں نکلا۔ ارے احق آدمی۔ کتنی بار سمجھایا کہ وہ ان بوتلوں میں بھری ہوئی گیس کا اثر تھا۔“

”اگر یہ سچ ہے تو اس گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب تھا۔ اس کے منہ میں دبے ہوئے پائپ

کے کیا معنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی۔“

”اس کا مقصد ہنص بھی تھا کہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آ جائے اور پھر سب سے بڑی

تو یہ ہے کہ اگر وہاں دوسرے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اس مضحکہ خیز بیان پر کسی کو

چین نہ آتا۔ مجروں کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور تھک

ر کر بیٹھ جائیں۔“

”صاحب آپ کی یہ منطق میرے حلق سے نہیں اڑتی۔“

”اچھا اب خاموش رہئے۔ ورنہ میرا گھونہ آپ کے حلق سے اتر جائے گا۔“

”بے بسی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت

لان کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔“

”اور میرا دل نہ جانے کیوں اٹھ کر ٹھل رہا ہیں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”دل بیٹھا جا رہا

ہے۔ بہت خوب۔ میں غلط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بڑھیا کی روح حلول کر گئی ہے۔

برخوردار اس قسم کے محاورے کسی مرد کو زیب نہیں دیتے۔“

”آپ برخوردار..... اس قسم کے محاورے.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ موٹر کی آواز جنگل کے سناٹے میں گونج

رہی تھی۔ کبھی کبھی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں سڑک پر ایک آدھ گیدڑ یا جنگلی بلیاں بھاگتی دکھائی

دے جاتی تھیں۔ ہوا قطعی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلگایا اور

بلکے بلکے کش لینے لگا۔ دفعتاً فریدی چونک کر کہنے لگا۔

”کیوں حمید.....! ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دیر میں گھر سے روانہ

ہو گئے ہوں گے۔“

”بیشکل تمام دس منٹ کے بعد۔“



سامنے آگرے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟“

”ارے باپ رے باپ۔“ حمید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”ذرا ہوش و حواس درست رکھئے۔ کوئی حادثہ پیش آیا ہی چاہتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ریوالور لائے یا نہیں۔“

”ار..... ریوالور.....!“ حمید ہکلا نے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”آپ ففس..... ففس..... ہنسنے ہیں۔“

”تم بھی ہسونا!“

”مجھے کھانسی آرہی ہے۔“ حمید نے زبردستی کھانستے ہوئے کہا۔

”ارے!“ فریدی چونک کر بولا۔

ہیڈ لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اونٹن پر اڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی

رفتار دھبی کر دی۔ کار رک گئی۔ فریدی نے کار پیچھے کی طرف لوٹانی شروع کی۔

”کیوں یہ کیا!“ حمید جلدی سے بولا۔

”خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

دھنسا کار کی کھڑکی سے گذرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کنپٹی سے لگ کر رک گئی۔ یہی واقعہ

حمید کے ساتھ بھی پیش آیا اور ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

”نیچے اترو!“

دو عدد رانٹلوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپٹیوں سے لگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور

دونوں نیچے اتار لئے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے

تھے۔ چار کے پاس رانٹلیں تھیں اور پانچواں ریوالور لئے ہوئے تھا۔

”لے چلو!“ ریوالور والے نے کہا۔

دونوں کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا اور وہ سب جہازوں میں گھستے چلے گئے۔ حمید اور

”تعب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کس روتے

روانہ ہوئے ہوں گے۔“

”ہوسکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔“

”تب بھی اب تک انہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی کر

سے کو تو اسی میں میرا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے سیدھے ہمیں آنے کے لئے آ

اگر واقعی اتنی ہی جلدی تھی تو اس ست رفتاری کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”تو کیا!“ حمید سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔“

”بہت ممکن ہے۔ دراصل مجرم میری جان لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر تیش بھی اسی

سے میرے پیچھے لگا تھا۔“

”لیکن اگر وہ آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کر دیا۔ آخر چھاپا

کیا ضرورت تھی۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے گھیس میں دیکھ کر شے میں پڑ گیا

لہذا شک رفع کرنے کیلئے اس نے یہ چال چلی اور پھر کچھ دیر بعد اس نے ریوالور نکالی لیا تو

”اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔“

”بالکل نہیں..... البتہ اندھیری رات میں سیاہ عینک ضرور شے میں ڈال رہی تھی

فریدی نے کہا۔

”ارے یہ کیا!“ حمید چونک کر بولا۔

”کیا بات ہے۔“

”اھر بائیں طرف کی جہازوں میں کوئی تھا۔“ حمید نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے آ

”فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔“

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ رفتار تیز رکھئے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”کیوں کیا کرنے کا ارادہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر کوئی تناؤ درخت اچانک



”چپ رہو!“ وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔  
فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جکڑ رکھے تھے۔ ریوالور والے نے  
فریدی کے بال پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن جنبش بھی نہ ہوئی۔

”تم یوں نہ مانو گے۔“ ریوالور والا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔

فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنبھل نہ سکے۔ فریدی ان  
کی گرفت سے آزاد ہو کر اچھلا اور حمید پر آگرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑ رکھا تھا وہ بھی حمید سمیت  
زمین پر آ رہے۔ ریوالور والا چیختے لگا۔

”خبردار..... خبردار..... گولی مار دوں گا۔“

اب بالکل اندھیرا تھا۔ غالباً اس کش مکش کے دوران میں ریوالور والے کے ہاتھ سے  
ٹارچ گر گئی تھی۔ ریوالور والے نے ہوائی فائر کرنے شروع کئے۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اندھیرے  
میں اسی کے آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اندھیرے میں جدوجہد ہوتی  
رہی۔ ریوالور والے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پنجوں کے بل سرک کی طرف بھاگ رہے  
تھے۔ کار وہیں کھڑی تھی۔ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اشارت کردی۔ جھاڑیوں  
کے اندر شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے  
کار گھمائی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف چل پڑے۔ اب فائر ہونے  
شروع ہو گئے تھے۔ جن کی آوازیں دور تک سنائی دیتی رہیں۔

”کیوں میاں حمید..... ہو گئی نا اچھی خاصی مرمت!“ فریدی نے کہا۔ ”وہ تو کہو اس مردود

کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی ورنہ اس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔“

”بس اب مت بولئے..... چپ چلے چلئے۔“ حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

”ارے واہ میرے شیر..... بس اتنے ہی میں ہاپٹے لگا۔“ فریدی نے ہتھ بٹھا لگایا۔

فریدی خاموش تھے۔ ریوالور والے نقاب پوش کے ہاتھ میں ٹارچ تھی وہ آگے آگے راستہ  
دکھاتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا انہوں نے اسے  
اٹھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ریوالور والا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

”کیوں مکار! کیا اب کوئی نئی حرازدگی سوچھی۔“ وہ گرج کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکلف نہیں۔ لہذا تہذیب شرط ہے۔“

فریدی منہ بنا کر بولا۔

”اگر ہم خاموشی کی بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔“ حمید نے سنجیدگی

سے کہا۔

”چپ رہو جو ہے کے بچے۔“ ریوالور والا پھر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”آپ بڑے بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن

اسے پھر اٹھا دیا گیا۔

”اٹھو!“ ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

”رک جاؤ بھائی ذرا سنا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سگار بھی سلگا لوں۔“

فریدی نے پراٹھیمانان لہجے میں کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو یہیں پر ختم کر دینا ہو گا۔“ ریوالور والے نے کہا۔

”نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ اگر ختم ہی کر دینا ہے تو یہاں کیا برائی ہے۔“ فریدی

نے کہا۔

”اٹھو.....!“ ریوالور والا پھر چیخا۔

”نہیں اٹھوں گا۔“ فریدی بھی اسی انداز میں چیخا۔

”اچھا ٹھہرو..... بتانا ہوں تمہیں.....!“ اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”ذرا اردو میں بتانا..... انہیں ہندی نہیں آتی۔“ حمید نے چلا کر کہا۔

”آپ ٹھہریے جناب..... بھلا میں آپ کا مقابلہ کب کر سکتا ہوں۔“ حمید نے دیکھنے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوٹ چلے۔“

”اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔“ فریدی نے کہا۔  
”کیوں؟“

”اس لئے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سراغ مل گیا۔“  
”وہ کیسے؟“

”اس کا جواب یہ مارچ دے گی۔“

”مارچ؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”وہ کب سے بولنے لگی۔“

”اسی وقت سے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اس وقت یہ مارچ بہت قیمتی ہے۔“  
”ذرا دیکھوں تو۔“

”ہول ہول، چھوٹا مات اسے۔“ فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”یہ بڑی مختصر سے دستیاب ہوئی ہے۔ اتنی کشتی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اس کی کافی حفاظت کی ہے۔“  
”آخر کیوں۔“

”اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چہرہ اسی وقت ٹنگر پڑا۔“  
”ڈیپارٹمنٹ میں اتارا جائے گا۔“

حمید حیرت سے فریدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

## گلاس کی چوری

”دوسرے دن صبح فریدی حمید اور سردج ڈرائنگ روم میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واقعہ کی اطلاع کسی کو نہ دی لیکن حمید کے پیٹ میں چوہے کو درہے تھے۔ وہ اپنا

کارگزاریاں ایک حسین غورت کے سامنے دہرانے کے لئے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کئی بار اس نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اسے صاف اڑا دیا۔ آخر کار تھوڑی دیر کے بعد حمید بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واقعے کا تذکرہ سردج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسب معمول بے طرح چپک رہا تھا۔ بات بات پر لطیفے ہو رہے تھے۔  
”واقعی حمید صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔“ سردج نے کہا۔

”مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کر سکوں۔“ حمید نے جواب دیا۔  
”لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کی ہمت کا کیا کہنا..... بڑے بڑے آپ کا لوہا، تانبا، پتیل، گلت غرض کہ ہر قسم کی دھات مانتے ہیں۔“

سردج ہنسنے لگی اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

”اتنے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔“

”ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔“ نوکر نے لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔  
”یہ خط نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کاغذ سردج کی طرف بڑھا دیا۔“

”یہ ٹھاکر دلیر سنگھ کا خط ہے۔“

”فریدی صاحب تسلیم!“

میں شام کو آپ کا انتظار کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سردج یہاں آنے پر رضامند نہ ہوتی ہوگی۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔ میں سردج کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصے میں میں نے اسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہنا چاہئے تھا۔ مجھے سخت ندامت ہے۔ اگر سردج بوڑھے ٹھاکر کے منہ پر طمانچہ مار کر بھی اس کی غلطی کو معاف نہ کر سکے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ خدا را سردج کو لے کر جلد آئیے ورنہ میرے ضمیر کی ملامت میرا کام ہی تمام کر دے گی۔  
فقط..... نام دلیر سنگھ۔“

سروج کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ ٹھاکر کے خط نے اسکے دل پر گہرا اثر ڈالا۔  
 ”میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب ٹھاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔ مجھے  
 مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔“ سروج نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔  
 ”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چلے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج ٹھاکر صاحب  
 سے ملنے کا ارادہ کر رہا ہوں، واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ ان سے مل کر مجھے ایک  
 کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔“ فریدی نے سگار سٹاک کر کش لیتے ہوئے کہا۔  
 ”میرا خیال تو یہ ہے!“ حمید نے کہا۔ لیکن فریدی کی تیز نظروں سے گھبرا کر جملہ  
 کر سکا۔

”ہاں آپ کیا کہتے ہیں۔“ سروج نے حمید سے پوچھا۔  
 ”میں..... یعنی کہ میں.....“ حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال  
 کہ آپ ضرور جائیے۔“  
 تھوڑی دیر کے بعد فریدی سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جا رہے تھے۔  
 جیسے ہی کار سروج کے مکان کے پچانک پر آ کر رکی اس کا گرے ہاؤنڈ کتہ دم  
 دوڑ آیا۔

”جیک جیک!“ سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔  
 آواز سن کر ٹھاکر بھی چھڑی ٹپکتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی آنکھوں  
 بہہ رہے تھے۔ موٹے موٹے قطرے..... اس کا محبت بھرا دل امنڈ آیا تھا۔ سروج اس  
 سے سر لگا کر سسکیاں لینے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر تک  
 روتے رہے پھر آنسو پونچھ ڈالے گئے اور ڈرائنگ روم دلچسپ تذکروں سے گونجنے لگا۔  
 ”بھئی بہت تیز گرمی پڑ رہی ہے۔ میرے خیال سے تو کچھ پینا چاہئے۔“ ٹھاکر  
 ”میں ابھی شربت بنوا کر لاتی ہوں۔“ سروج نے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر چلی  
 لمحوں کے بعد ایک ملازم کشمی میں شیشے کے خالی گلاس لایا۔ فریدی نے گلاس ہاتھ میں

”کتنے خوبصورت گلاس ہیں۔“ فریدی گلاس کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے  
 بولا۔ ”اب ایسی چیزیں کہاں۔“

اس پر ٹھاکر صاحب نے ان گلاسوں کا خاندانی شجرہ سنا کر رکھ دیا۔ فریدی ان کی باتوں کو  
 دلچسپی سے سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان گلاسوں کو اٹھا اٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرتا  
 جا رہا تھا۔

”بس غی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھا ہی کیجئے۔“ فریدی نے گلاسوں کو تعریفی نظروں سے  
 دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب گلاسوں کی تعریف سن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جا رہے تھے۔ سروج  
 جگ میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاس بھر دیئے۔

شربت پینے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ٹھاکر صاحب نے دھرم پور کے  
 جنگل کے کیس کے متعلق بھی کافی دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید واپس جانے  
 کیلئے تیار ہو گئے۔ سروج اور ٹھاکر ان کے ساتھ پچانک تک آئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔  
 ”بھئی حمید مجھے وہ گلاس بے حد پسند آئے ہیں۔“ فریدی نے تھوڑی دیر چل کر کار  
 روکتے ہوئے کہا۔

”تو گاڑی کیوں روک دی۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔  
 ”میں انہیں سے ایک چراغا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اتر گیا۔  
 ”کیا مطلب!“ حمید کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔  
 ”میں ابھی آیا!“ فریدی نے کہا۔  
 حمید کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔  
 تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔  
 ”کوئی خاص رحمت نہیں پیش آئی۔ وہ لوگ گلاس وہیں چھوڑ گئے تھے۔“ فریدی نے کار  
 میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

## گود میں سانپ

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید کو توالی گئے۔ کو توالی انچارج انسپکٹر سدھیران کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔

”آئیے انسپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔“ سدھیر نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کہنے کوئی خاص بات۔“

”خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کانٹھیل لے کر میرے ہمراہ چلیے۔“ فریدی نے کہا۔

”خیریت!“ سدھیر نے حیرت سے کہا۔ ”جلدی کیجئے! آپ کا شکار میرے چوہے دان میں پھنس گیا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اس لئے ہم لوگ جلدی میں ناشتہ دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔“ حمید جلدی سے بول اٹھا۔

”تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشتہ نہیں کیا۔“ سدھیر نے کہا۔ ”کہنے کچھ منگاؤں۔“

”نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیار کر لیجئے۔“

”جلال پور!“ سدھیر نے حیرت سے کہا۔ ”تو آپ نے قاتلوں کا پتہ لگا لیا۔“

”قریب قریب.....!“ فریدی نے کہا اور سگارسگانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آٹھ مسلح کانٹھیل آ گئے۔ پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کانٹھیل بیٹھے تھے جلال پور کی طرف

نہری سے بھاگی جا رہی تھی۔

”ذرا مجھے کچھ پہلے سے بتا دیجئے تاکہ میں اسی کے مطابق انتظام کر سکوں۔“ سدھیر نے کہا۔ ”میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”پھر بھی!“ سدھیر نے کہا۔ ”بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں بھریاں ڈال دینی ہوں گی۔“

”یہ تو ہو ہی جائے گا۔ یہ بتائیے کہ آخر قاتل ہے کون؟“ سدھیر نے بے چینی سے کہا۔ ”گھبراہٹ نہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”ذرا ہوشیاری سے رہنا۔“ سدھیر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔ ”ہاں بھی..... یہی وقت ہوشیاری کا ہے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔ ”اور ذرا ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔“

”حمید صاحب کسی وقت تو ہم غریبوں کی خطائیں معاف کر دیا کیجئے۔“ سدھیر نے کہا۔ ”اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔“ حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی طرف دیکھنے لگا جو خود بخود پھول کر چمک رہی تھی۔

”ارے!“ حمید نے اچھل کر کہا۔ ”انسپکٹر صاحب آپ کی جیب.....!“

فریدی نے حمید کا شانہ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر سدھیر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہیٹ اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

”کیا بات ہے۔“ سدھیر نے حمید سے پوچھا۔ ”کچھ نہیں..... یونہی ذرا.....!“

”دماغ کا ایک اسکرودھیلا ہونے لگا تھا۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دلیر نگہ کی کوشی کے سامنے پولیس کی لاری رکی، سروج اور دلیر نگہ برآمدے ہی میں بیٹھے تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کانٹھیل دیکھ کر سروج نے آہستہ سے کچھ کہا۔ دلیر

سنگھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔

”کہئے فریدی صاحب..... کوئی تازہ مصیبت.....“ ٹھاکر دلیر سنگھ نے کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں..... ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔“

”خوب خوب!“ ٹھاکر دلیر سنگھ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے اتنی انسیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ تشریف

ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔“

”گرمی بہت شدید ہے۔“ دلیر سنگھ نے کہا۔ ”میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شربت پی لیں۔“

”جی نہیں شکریہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”قطعی خواہش نہیں۔“

”کہئے کیا بھلا والے کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے تھے۔“

سنگھ نے پوچھا۔

”جی ہاں..... کچھ کامیابی ہوئی تو ہے۔“

”کیا میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔“ دلیر سنگھ نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

”کیوں نہیں!“ فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”ایک تو یہی اطلاع آپ

لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رندھیر بھلا اور ڈاکٹر ستیش کا قتل ایک ہی آدمی کی ایما پر ہوا ہے۔“

”اچھا!“ دلیر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ ”واقعی یہ خبر انتہائی دلچسپ اور ساتھ ہی

حیرت انگیز بھی ہے۔“

”ٹھاکر صاحب۔“ فریدی بولا۔ ”کیا آپ مجھے بھلا کا صحیح حلیہ بتا سکتے ہیں۔ مجھے اس

لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔“

”بہت غیب!“ ٹھاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”اگر کوئی اندھا کسی کا حلیہ بتا سکا

ضرور پوچھئے۔“

”تو کیا واقعی اب آپ کو آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا۔“ فریدی نے پوچھا۔

ٹھاکر دلیر سنگھ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گذرنا

”فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔“ دلیر سنگھ نے

تلخ لہجے میں کہا۔

”یقیناً!“ فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

”تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔“ دلیر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش

کرتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔“ فریدی نے ندامت آمیز لہجے میں کہا

”لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”خیر..... خیر!“ دلیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔“

پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

”فریدی بھائی! مجرموں کے گرفتار ہو جانے کی کب تک امید ہے۔“ سروج نے کہا۔

”بہت جلد!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو..... تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شبہ رفع ہو۔“ سروج نے

مغموم لہجے میں کہا۔

”آپ لوگوں پر شبہ..... ارے لاحول ولا قوۃ..... آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ تو بہ

توبہ!“ فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لہجے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلیر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ

کی طرف گردن موڑے کچھ دیکھ رہا تھا۔

”ارے سانپ.....!“ ٹھاکر دلیر سنگھ بے اختیار اچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں رینگ رہا تھا۔ سب لوگ

بدحواس ہو گئے۔

”سانپ دکھائی دیتے ہیں ٹھاکر صاحب۔“ فریدی نے ریوالتور نکال کر ٹھاکر دلیر سنگھ کی

طرف تانتے ہوئے کہا۔ ”خبردار اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔“

ٹھاکر دلیر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھتری چھوٹ پڑی۔

”تم نے اٹھنے کی کوشش کی اور میں نے گولی چلائی۔“ فریدی نے تیز لہجے میں ”سدھیر صاحب جھکڑی۔“

ٹھا کر دلیر سنگھ کے ہاتھوں میں جھکڑی لگا دی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور زیادہ نور ہو گئیں۔

”یہ آپ نے کیا کیا فریدی بھیا۔“ سروج بے اختیار چیخ پڑی۔  
 ”ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپریشن..... اب انہیں اندھیرے میں رہنے کی ضرورت ہے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔ ”واللہ انپکٹر صاحب آپ ماہر امراض چشم بھی ہیں۔“  
 ”ارے ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔“ سروج بے بسی سے بولی۔

”گھبراؤ نہیں..... سروج بہن شکر کرو کہ تم بچ گئیں ورنہ کچھ دن بعد تم بھی بملا کا راز دیتی نظر آتیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جانا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملنا۔ میں گھر پر ہی ہوں گا۔“ ٹھا کر دلیر سنگھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”اٹھئے سرکار!“ سدھیر نے اُسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔  
 دلیر سنگھ جھلا کر کھڑا ہو گیا اور جھکڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس زور سے سدھیر کے سر پر مارے کہ سدھیر تورا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ آٹھوں سپاہی دلیر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔  
 سروج چیخنے لگی۔

ٹھا کر دلیر سنگھ لاری میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹتے تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔



”اسی وقت سنو گی۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”خیر سنو ایک دن جب تم گھر پر نہیں تھیں بملا نے دلیر سنگھ کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حیرت ہوئی اور حیرت کی بات بھی ہے کہ اندھے لکھا نہیں کرتے۔ دلیر سنگھ کو اس کا احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ بملا کو لے جا کر تہہ خانے میں قید کر دے۔ تہہ خانے میں لے جا کر دلیر سنگھ نے زبردستی اس سے ایک خط تمہارے نام لکھوایا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے شہر جا رہی ہے اور معلوم نہیں کب تک اس کی واپسی ہو۔ دلیر سنگھ کی تحریر لے کر اسے تہہ خانے میں بند کر کے چلا آیا۔ یہ دہری کام اس نے اس لئے کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد کوئی دوسری کارروائی کر سکے۔ تمہارے آنے پر اس نے بملا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئی تھیں۔ کیوں ہے نا یہی بات۔ دلیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جن میں ڈاکٹر بخش بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر ستیش نے جو رائے دی اس پر سب راضی ہو گئے۔ لہذا وہیں تہہ خانے میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بملا اور ستیش کی ایک تصویر کھینچی گئی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی۔“



ہوا کہ دلیر سنگھ ہی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی ٹارچ میرے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات اس ٹارچ پر باقی رہے جنہیں میں نے کانڈ پر اتروا لیا۔ مجھے دلیر سنگھ پر شروع ہی سے شبہ تھا۔ حالانکہ وہ ایک اندھے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا۔ لیکن..... ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلایا تھا۔ میں نے وہ گلاس چرا لیا جس میں دلیر سنگھ نے شربت پیا تھا۔ اس پر دلیر سنگھ کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاس کے نشانات اور اس ٹارچ کے نشانات میں کوئی فرق نہ نکلا اور پھر آپ کے ٹھا کر صاحب آخر کار دھر لئے گئے۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ میرا کیا حشر ہوگا۔“ سرو پریشانی کے لہجے میں بولی۔  
 ”کچھ بھی نہیں۔ تمہیں صرف سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔ میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔“

”اب تم اتنی بڑی جائیداد کی تنہا مالک ہو۔ دلیر سنگھ تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔“  
 ”میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا میرے لئے اتنا نہ کر سکتا۔“

”اچھا تو مجھے سگا بھائی نہیں سمجھتیں۔“ فریدی نے روٹھ جانے والے انداز میں کہا۔  
 ”میرا بھیا۔“ سرو نے کہا اور اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو امانڈ آئے۔

حمید نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگایا۔ جھینپا جھینپا سا قہقہہ.....

ختم شد

لیکن وہ ایسی نہیں کہ تمہیں دکھلا سکوں۔ بہر حال بملا سے کہا گیا کہ اس نے دلیر کا راز کھینچ لیا تو وہ تصویر اس کے عزیزوں اور اس کے منگیتر کے پاس بھیج دی جائے گی۔ اتنا کچھ کہ کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اسی دوران میں ان کے ہاتھ بملا کے منگیتر کا ایک لگ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید ان دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلیر سنگھ نے ایک اسکیم بنائی۔ وہ یہ تھی کہ رندھیر اور بملا اس دوران غائب کر دیئے جائیں تو ان کے والدین یہی سمجھیں گے کہ رندھیر بملا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر ستیش بملا کا بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اسی کے سامنے جلادی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط لکھو تمہیں یہاں سے آ کر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر ستیش نے بملا کو اچھی طرح اطمینان دلایا۔ اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آ رہا۔ جہاں تک دونوں کو قتل کر دینے کی اسکیم کا تعلق ہے ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ اور زیادہ پردہ پوشی کے لئے پولیس کو بھی اس میں الجھا دینے کی اسکیم بنا کر سخت دھوکا۔ حالانکہ ان کی اسکیم بھی بڑی شاندار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بملا اور رندھیر کے اس طرح ہو جانے سے بملا کے والدین ان دونوں کا حلیہ جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر سنگھ ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی۔ اگر عین وقت پر جنگلی گیدڑ ہماری کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیدڑ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلیر سنگھ کی حرکت تھی۔ ستیش صاحب کا پتہ جارہے تھے۔ رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تاکہ بملا کا خط ڈھونڈ کر آسکیں۔ راستہ میں مجھ سے مڈ بھیز ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے جو کے گرفتار ہونے کے بعد راستے ہی سے پلٹ آئے۔ اس نے اس کی خبر دلیر سنگھ کو دی۔ سنگھ نے سوچا کہ اب اسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اگلا۔ پھر دلیر سنگھ نے مجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ مجھے یہ کیسے